جون June 2025

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

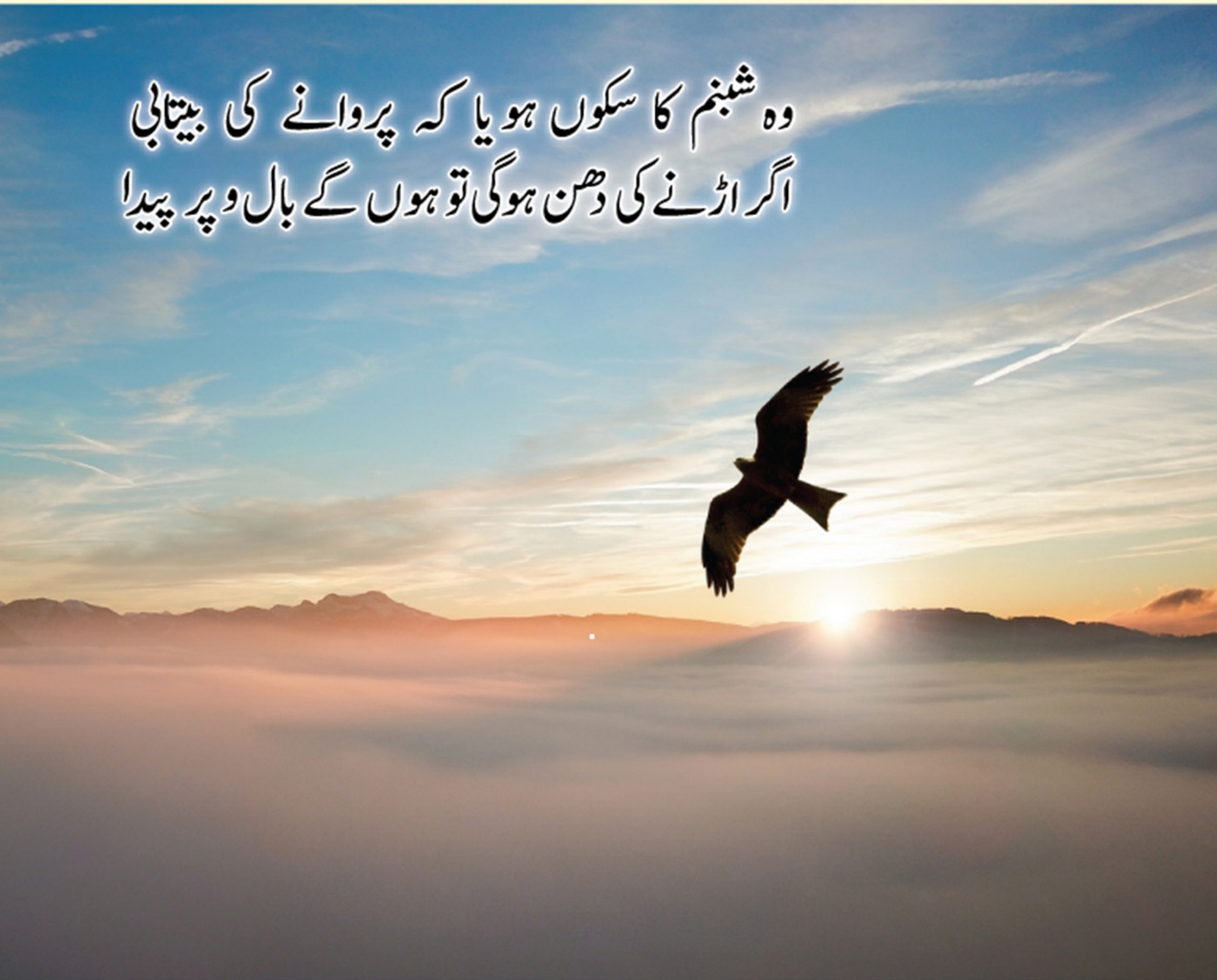

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

قیمت: -/30 روپے

www.shibliinternational.com

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

Issue: 88 شمارہ: Vol: 8 جلد: June 2025 جون

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	30/-
سالانہ:	360/-
رجسٹرڈ ڈاک:	450/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری

پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام

پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی

ڈاکٹر نادر المسدوسی۔ الحاج سید عظمت اللہ بیابانی

مولانا محمد مساعد ہلال احیائی۔ اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی

ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو

ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون

ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔

مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی

ابوہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	مصنف	صفحہ
۱	**اپنی بات**	ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	فتنۂ قادیانی (قرآن وسنت کی روشنی میں)	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	تیزی سے برائیوں کی طرف بڑھنا معاشرے کی تباہی کی علامت	پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۰
۵	شمس الرحمٰن فاروقی بحیثیت نقاد (کلاسیکی متون کے حوالے سے)	ڈاکٹر مسیح الزماں انصاری	۱۳
۶	**غزل**	پروین — شاکر	۱۸
۷	عالمی ضروریات کے لیے اعلیٰ تعلیم میں ٹیکنالوجی کا انضمام	ڈاکٹر ساگر کا	۱۹
۸	پانی: نعمت بھی، امانت بھی	مولانا مفتی محمد اعظم ندوی	۲۱
۹	ایئر انڈیا ہوائی جہاز کا دردناک حادثہ-عبرت کے چند سبق	امداد الحق بختیار	۲۳
۱۰	**نظم**	ڈاکٹر طارق انور باجوہ	۲۶
۱۱	اردو کا محافظ کون: یونیورسٹیز یا مدارس؟ ایک تقابلی جائزہ	غلام جیلانی قمر	۲۷
۱۲	**غزل**	کفیل امروہی	۲۸
۱۳	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی-حیات وخدمات	عبدالعلیم بن عبدالعظیم اعظمی	۲۹
۱۴	**غزل**	راحت اندوری	۳۳
۱۵	**فقط ایک روٹی**	عذرا سلطانہ	۳۴
۱۶	**غزل**	الیس فیضانی	۳۵
۱۷	**یاد ماضی**	سید عظمت اللہ بیابانی	۳۶
۱۸	نم آنکھوں سے عیدالاضحیٰ مبارک	سراج الدین ندوی	۳۸
۱۹	**غزل**	رہبر پرتاپ گڑھی	۳۹
۲۰	مولانا وستانویؒ کے افکار بہت وسیع تھے، انہوں نے ملک وملت کے لیے....	ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی	۴۰
۲۱	**غزل**	ڈاکٹر نادر المسدوسی	۴۱
۲۲	**غزل**	ذکی طارق بارہ بنکوی	۴۱

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

الحاج **سید عظمت اللہ بیابانی**، وجئے نگر کالونی، حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اداریہ

اپنی بات

سال میں امت مسلمہ کے لیے دو عید آتی ہے، ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ۔ سال 2025 میں عید الاضحیٰ ماہ جون میں تھی، عید الاضحیٰ اور حج کی عبادت کا تعلق کئی طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے، جس میں لا متناہی پیغام پنہا ہے جو ہمیں قربانی کی دعوت دیتا ہے۔ مگر اس امت مسلمہ کے ہر اس شخص پر جو صاحب استطاعت ہے اس پر حج اور قربانی فرض ہے، ان فرائض کو ادا کرنے میں ہمارے جمہوری ملک ہندوستان کے بیشتر حصوں میں رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ رب العزت کے احکام کو ادا کرنے میں کوئی بھی دشواری آتی ہے تو اسے مسلمان خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتا ہے مگر کچھ نام نہاد و غیر ضروری وجوہات بتا کر سماج کو متاثر اور متنفر کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اس شرارت کو حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس پر روک لگائے اور اگر کوئی غیر قانونی کام ہوتا بھی ہے تو عوام کی ذمہ داری زیادہ سے زیادہ بتانے کی ہے، اس کے روکنے اور حل کرنے کی ذمہ داری ارباب مجاز کی ہوتی ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

جہاز ایئر انڈیا احمد آباد کے حادثے نے پوری دنیا کو سوچنے اور حادثۂ غم میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا، کتنے خوابوں اور ارمانوں کے ساتھ لوگ لندن جا رہے تھے، ذرا سی چوک اور لاپرواہی تقریباً 275 اشخاص کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، کچھ لوگ تو اس میں بیچارے جل کر راکھ ہو گئے، شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ تمام افراد کے لیے تعزیت پیش کرتا ہے اور ان کے پسماندگان کو صبر آجائے دعا کرتا ہے اور ارباب مجاز سے دست بدستہ گزارش کرتا ہے کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ آئندہ کبھی کوئی موقع پھر نہ آجائے۔ اللہ تعالیٰ پوری دنیا پر رحم فرمائے اور دنیا کے انسانوں کو ہر معاملہ میں صراط مستقیم عطا کرے آمین۔

ایران، اسرائیل میں تھوڑی سی جنگ ہوئی، یہ جنگ نہیں ہوتی اگر اسرائیل ایران پر حملہ نہیں کرتا مگر بعض مرتبہ خام خیالی برے نتائج تک پہنچا دیتی ہے۔ اسرائیل نے انجام کی پرواہ کئے بغیر یا وہ ایران کو غزہ اور فلسطین جیسا سمجھ رہا تھا، حملہ کر دیا لیکن ایران کے جوابی وار نے اسرائیل کی طاقت کی پوری قلعی کھول دی، تھوڑی جنگ اور طول پکڑتی تو فلسطین کے ساتھ رہنے والوں کے دلوں کو ٹھنڈک ملتی مگر ٹرمپ صاحب جواب مار اور مروا کر صلح کرانے میں ماہر ہو گئے ہیں، انہوں نے انڈیا اور پاکستان کی طرح اسرائیل اور ایران کے معاملے میں ثالثی کا کردار ادا کیا اور جنگ رک گئی، کاش کہ ٹرمپ صاحب اسرائیل پر اور نکیل کس دیتے اور مظلوم فلسطینیوں کو انصاف دلا دیتے تو پورا خطہ اور عالم اسلام بے چینی کے دلدل سے نکل جاتا۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں، جو تقربِ نبویؐ میں دوش بدوش تھے، اس بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک ورقابت کا اظہار ہوجایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں، رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں، آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے، جس پر حفصہؓ سوار تھیں، جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں ''خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھ کو ڈس جائے''۔

وفات: حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ ہجری میں جو امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، وفات پائی، وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبداللہ بنؓ عمر سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے ان کو کی تھی، کچھ جائداد بھی وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا، مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بنؓ شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا، یہاں سے قبر تک حضرت ابوہریرہؓ جنازہ کو لے گئے، ان کے بھائی عبداللہ، عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکوں نے قبر میں اتارا۔

حضرت زینب ام المساکینؓ

زینب نام تھا، چونکہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتی تھیں، اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے عبداللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں، عبداللہ بن جحشؓ نے جنگ احد ۳ھ ہجری میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنھوں نے وفات پائی، آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ

ہند نام، ام سلمہؓ کنیت تھی، باپ کا نام سہیل اور ماں کا نام عاتکہ تھا، پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں آئیں (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور) جو ان کے چچازاد اور رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی میں پیدا ہوئے، حبشہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہلِ سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں، جو ہجرت کرکے مدینہ میں آئیں۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۳۲۸-۳۲۹)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

فتنۂ قادیانی

قرآن وسنت کی روشنی میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

وَأَرۡسَلۡنَاکَ لِلنَّاسِ رَسُولاً وَکَفَی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا(النساء:۷۹)

اور ہم نے آپؐ (قیامت تک) انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔

قُلۡ یَا أَیُّہَا النَّاسُ إِنِّی رَسُولُ اللّٰہِ إِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعاً (الاعراف:۱۵۸)

اے نبی ﷺ! اعلان کر دیجئے کہ اے تمام انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تمہید

اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ورب ہے اور رب ہی پر ہے کہ وہ اپنے بندوں کی تمام ضروریات کی تکمیل کا سامان فراہم کرے۔ چنانچہ مادی ضرورتوں کے لیے کائنات بنایا اور ان کی سب سے اہم وبنیادی ضرورت یعنی ہدایت ورہنمائی کے لیے آدم تا عیسیٰؑ تک دنیا کے ہر ملک، علاقے اور قوم میں پیغمبر مبعوث کرکے کتابیں نازل فرماتا رہا، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلِکُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (یونس:۴۷) ''اور ہر اُمت کے لیے رسول ہے'' وَلِکُلِّ قَوۡمٍ ہَادٍ (الرعد:۷) ''ہر قوم کے لیے ہادی ہے''۔

اور ہدایت ورہنمائی کے سامان کی حفاظت اہل ایمان ہی کے ذمہ رکھی ہے۔

بِمَا اسۡتُحۡفِظُواۡ مِن کِتَابِ اللّٰہِ (المائدہ:۴۴) ''بوجہ اس کے کہ ان کو کتاب اللہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا''

جب عیسیٰؑ پر ایمان لانے والے بھی کتاب اللہ کی حفاظت نہ کرسکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''القرآن'' جس کی قیامت تک حفاظت کرنے کا وعدہ کرکے نازل فرمایا اور اپنے اس وعدۂ حفاظت کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ قرآن میں پیغمبروں، صالحین، محسنین، متقین، مصلحین، عباد الرحمٰن، طالبانِ آخرت وطالبانِ دنیا، کافر ومومن، فرمانبردار ونافرمان، مفسدین اور سرکشوں کے اعمال بیان کرتے ہوئے ہدایت وگمراہی، علم وجہل، اصلاح وبگاڑ، اچھائی وبرائی، منکر ومعروف، نیکی وبدی، اتفاق واختلاف، ضدوہٹ دھرمی، ایثار وخودغرضی، بخل وسخاوت، غرض انسان کے ہر اچھے وبرے جذبات وخواہشات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے دنیوی واُخروی، عارضی وابدی انجام کو اپنے قانونِ جزا کی روشنی میں تفصیل سے بیان فرمادیا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِیٓ أَنزَلَ إِلَیۡکُمُ الۡکِتَابَ مُفَصَّلاً۔ (الانعام:۱۱۴) ''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اُتاری ہے'' تَفۡصِیۡلَ الۡکِتَابِ (یونس:۳۷) ''کتاب میں تفصیل کردیا ہے'' وَتَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ (یوسف:۱۱۱) اور (کتاب میں) ہر چیز کی تفصیل ہے'' تِبۡیَاناً لِّکُلِّ شَیۡءٍ (النحل:۸۹) ''ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی کتاب''

اور قرآن کو علم کی کتاب فرمایا ہے۔ أَنزَلَهُ بِعِلۡمِهِ (النساء:۱۶۶) ''اس کو اتارا اپنے علم کے ساتھ'' فَصَّلۡنَٰهُ عَلَىٰ عِلۡمٍ (الاعراف:۵۲) ''اس میں ہم نے علم کی تفصیلات دی ہیں'' اور یہ بھی بتادیا کہ علم کی باتوں میں تضاد نہیں ہوتا۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الۡقُرۡآنَ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِندِ غَيۡرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخۡتِلَافاً كَثِيراً (النساء:۸۲) ''کیا پس تم قرآن کی باتوں پر غور نہیں کرتے، اور اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر (تضاد بیانی) ضرور ہوتا''

اور یہ طمانیت بھی فرمادی کہ اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے۔

وَلَمۡ يَجۡعَل لَّهُ عِوَجَا (الکہف:۱) ''اور اس میں کسی بھی قسم کی کوئی کجی نہیں رکھی'' اور یہ قطعی اعلان بھی فرمادیا کہ: الۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الۡإِسۡلَامَ دِيناً (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں نے اسلام (اطاعت و فرمانبرداری) کو تمہارے لیے طریقۂ زندگی کی حیثیت سے پسند کرلیا''

اس سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ دین میں اب کسی قسم کی کمی یا اضافہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ان تیقنات کے ساتھ ساتھ اللہ نے اپنی آخری کتاب کو محمد ﷺ پر نازل فرما کر آپ ﷺ کو آخری نبی بنایا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کو رحمۃ العالمین فرما کر قیامت تک کے لیے ہر قسم کی نبوت کا دروازہ قطعی طور پر بند فرمادیا۔ آپؐ کے رحمۃ العالمین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لیے رحمتِ الٰہی کا مستحق بننے کا واحد صحیح طریقہ آپؐ کے ذریعے ہی بندوں تک پہنچادیا گیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ان آیات سے ملتا ہے:

فَكَيۡفَ إِذَا جِئۡنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئۡنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيداً (النساء:۴۱) ''اس وقت کا تصور کرو جبکہ ہر اُمت میں سے ہم ایک گواہ کھڑا کریں گے اور ان سب پر (اے نبیؐ) تم کو گواہ بنائیں گے''

وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيداً عَلَيۡهِم مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ وَجِئۡنَا بِكَ شَهِيداً عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (النحل:۸۹) ''اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ایک فرد کو جو ان ہی میں کا ہوگا ان پر گواہ ہوگا اور ان تمام گواہوں پر تم کو گواہ بنائیں گے''

مذکورہ بالا دو آیتوں سے صرف نبی ﷺ ہی کا آخری نبی ہونا قطعاً ثابت ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی یا آخری نبی مبعوث کیا جانے والا ہوتا تو اس کا تذکرہ قرآن میں لازماً ہوتا اور یہ آیتیں ہرگز نازل ہی نہیں ہوتیں کیونکہ تضاد و خلاف بیانی سے قرآن قطعی پاک ہے، اس کے علاوہ قُلۡ يَا أَيُّهَا

النَّاسُ إِنِّی رَسُولُ اللّٰهِ إِلَیْکُمْ جَمِیْعاً(الاعراف:۱۵۸) ’’اے نبیؐ! اعلان کردیجئے کہ اے تمام انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں‘‘ وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَنَذِیْراً(سبا:۲۸)’’اور ہم نے اے نبی! آپؐ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے‘‘ اس کے علاوہ سورہ النساء ۷۹، الحج ۴۹ میں بھی آپؐ کے آخری نبی ہونے کی بات بیان ہوئی ہے۔اور وَلَـٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب:۴۰)’’مگر وہ (محمدؐ) اللہ کے رسول اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں‘‘ کے ذریعہ اپنے قانونِ بعثت انبیاء ورُسل کی منسوخی کا اعلان فرمادیا۔

ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کے لیے یہ وعید بھی سنادی۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّٰهِ كَذِباً أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (الانعام:۲۱)’’اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑے اور اللہ کی باتوں کو جھٹلائے، بلاشبہ ایسا ظلم کرنے والے ہرگز فلاح نہیں پاسکتے‘‘ اس وعید کو بے حد تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ الاعراف ۲۷، یونس ۱۷، ۶۹ اور ھود ۱۸ میں اس انجام بد سے بچنے کے لیے ہدایت فرمائی گئی کہ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ (النساء:۱۷۱)’’اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات مت کہو‘‘ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ (الانعام:۹۳)’’آج تم کو بدلہ دیا جائے گا دوزخ کے عذاب کا اس وجہ سے کہ تم اللہ کے متعلق غیر حق بات کہتے تھے اور اُس کی آیتوں کے مقابلے میں اپنی غلط باتوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے‘‘ اور بتایا گیا کہ شیطان تم کو اَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ) ’’یہ کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں کہو جن کو تم نہیں جانتے‘‘ کی باتیں سکھاتا ہے اور اعراف ۳۳: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ’’آپؐ فرمادیجئے کہ میرے رب نے علانیہ اور پوشیدہ ہر قسم کی فحش باتوں کو حرام کردیا ہے‘‘ میں اللہ کے متعلق بلا دلیل و بلاسند باتیں کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ و رسولؐ کی پوری تعلیمات کا واحد مقصد اور نچوڑ بندوں میں ابدی زندگی کی فکر اور انابت الی اللہ یعنی حنیفیت پیدا کرنا ہے۔

مندرجہ بالا ارشاداتِ الٰہی سے قطعاً ثابت ہوجاتا ہے کہ قرآن کے کسی لفظ یا آیت کا یا کسی حدیث کا کوئی ایسا مفہوم و مطلب ہو ہی نہیں سکتا جو پیغمبروں اور عبادالرحمٰن کے اسوہ اور قرآن کی بنیادی تعلیم کے ضد یا خلاف ہو۔

ان حقائق کے باوجود اللہ و رسول کی تعلیمات سے اگر کوئی غلط معنی و مفہوم لیتا ہو تو اس کے متعلق صرف دو ہی باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی فہم و فکر نے ٹھوکر کھائی ہے یا وہ نہایت جھوٹا‘ فریبی اور شیطان ہے۔

یہی وہ حقائق ہیں جن کی بناء پر ہر مسلمان چاہے اس کا تعلق کسی بھی ملک یا کسی بھی قوم سے ہو‘ یہ ایمان یقین رکھتا ہے کہ قرآن‘ اللہ کی آخری کتاب ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ‘ اللہ کے آخری نبی ہیں، کیونکہ آپؐ کی تعلیمات بھی حفاظت قرآن کے تحت محفوظ ہیں۔ اس لیے آپؐ کے بعد کسی بھی قسم کے نبی کی ضرورت نہیں۔ ان حقائق کے باوجود کسی پر کسی طرح بھی وحی نبوت نازل ہونے کو ماننا اللہ کو جھوٹا قرار دینا ہے۔

(ماخوذ: فتنۂ قادیانی - قرآن وسنت کی روشنی میں، ص ۱-۸)

☆☆☆

پروفیسر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی، کامل الحدیث جامعہ نظامیہ(Osm)M.A., M.Com., Ph.D

تیزی سے برائیوں کی طرف بڑھنا، معاشرے کی تباہی کی علامت

تاریخ انسانی شاہد ہے کہ جس معاشرے میں صاحب ایمان و کردار کے مقابل نفس امارہ کے شکار صاحب دولت و اقتدار کو اہمیت دی جاتی ہے وہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کے افراد صاحب ایمان و کردار ہوتے ہیں وہاں سے خوف و ہراس کے بادل چھٹ جاتے ہیں، جرات و شجاعت کے خفتہ جذبات جوان ہونے کے باعث حق گوئی و بے باکی ان اشخاص کا طرہ امتیاز بن جاتا ہے بالآخر ایسی جلیل المرتبت ہستیاں دنیا و آخرت میں سرخرو ہوجاتی ہیں۔ قرآن مجید کی مختلف آیات مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جس قوم وملت کے لوگوں نے مال و دولت، جاہ وحشمت اور دنیوی عیش وعشرت میں مست ہوکر بداخلاقی اور بدکرداری کو اپنا شیوہ بنالیا اور اصلاح نفس اور اصلاح معاشرے کی طرف بلانے والے صاحب ایمان و کردار ہستیوں سے دوری اختیار کی وہ اللہ تعالی کے عذاب کا شکار ہوئے۔ قرآن مجید بیان فرماتا ہے کہ جب انبیاء نے لوگوں کو ایمان و کردار کی دعوت دی تو دولت و اقتدار کے نشے میں مست طاغوتی طاقت اور جابر و ظالم حکمرانوں نے سختی سے ان کی مخالفت کرتے رہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ صاحب ایمان و کردار کے سیل رواں کو روکنے میں ناکام و نامراد رہے اور اللہ تعالی نے ایمان و کردار کی حامل اقوام وملل کو بے سرو سامانی کے باوجود ہمیشہ اپنی تائید و نصرت سے کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمایا ہے۔ صاحب علم و حکمت اور فہم و فراست حضرت سیدنا موسیٰؑ نے ایک سال کے طویل انتظار کے بعد فرعون کے دربار میں رسائی حاصل کرتے ہوئے اس سنگدل و دہری کو اللہ کا پیغام سنایا تو فرعون ہنسی و دل لگی کرنے لگا اور مغرورانہ و ظالمانہ انداز میں حضرت سیدنا موسیٰؑ کو دھمکانا شروع کردیا۔ فرعون نے نہ صرف رب العالمین کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کردیا بلکہ صاحب ایمان لوگوں کو اپنے ظلم وستم کا تختہ مشق بنانے لگا۔ بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے والے، جسمانی مشقت کے کام کروانے والے، انواع واقسام کے تشدد برپا کرنے والے، لوٹ گھسوٹ کو فروغ دینے والے، بے رحمی سے ان کے حقوق تلف کرنے والے، نہایت طاقتور، زورآور مغرور اور خونخوار فرعون اور ظالم فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل میں غرق کرکے صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان تک مٹادیا اور صاحب ایمان و کردار کے حامل حضرت سیدنا موسیٰؑ کے ساتھیوں کو نجات عطا فرمائی جو اہل ایمان و کردار کی نصرت و حفاظت کی بڑی نشانی ہے۔ معمار کعبہ اور قبائل قریش کے سردار، صاحب جود و کرم اور اولو العزم نبی حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ نے جب زبردست منطقی، معتدل اور حجت بھرے اسلوب سے خرافات اور اصنام واوہام پرستی میں غرق ستارہ پرست قوم کو کفروشرک اور فسق ونفاق کی آلائشوں سے اپنے دامن کو صاف کرنے، متعدد خداؤں اور مختلف ارباب کی خدائی پر خط تنسیخ کھینچنے، صراط مستقیم پر ثابت قدم رہتے

ہوئے ارتقاء کی منازل طے کرنے، بدبختی، گمراہی، دنیاو آخرت کے عذاب سے نجات حاصل کرنے، آخرت کی حیات جاوید کو فوقیت دینے، اور دینی معاملات میں عقل وفہم سے کام لینے کا مطالبہ کیا تو دولت واقتدار کے نشے میں چور نمرود اور اس کے حواریوں نے حضرت سیدنا ابراہیم کے عملی و منطقی استدلالات سے مغلوب ہونے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی مظاہرہ کیا اور آپؑ کو بدترین صورت میں قتل کرنے کی غرض سے آگ کے دریا میں پھینک دیا گیا تو رب کریم نے صاحب ایمان وکردار بندہ کے افتخار واعزاز کو دنیا کے سامنے واضح کرنے کے لیے نمرود کی آگ کو خوبصورت گلستان میں تبدیل کردیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے نمرود کے تکبر اور خودسری کو بے نقاب کرتے ہوئے اسے اور اس کے حواریوں کو شکست سے دوچار کردیا۔ صاحب صبر وتحمل حضرت سیدنا نوحؑ اپنی گمراہ وہٹ دھرم قوم کو مدت مدید تک مالک حقیقی کی ناراضگی سے ڈرنے کی تلقین کرتے رہے اس کے باوجود اس قوم کے متکبرین نے ہمیشہ صاحب ایمان وکردار کی غربت وناداری کا مذاق اڑایا اور کہا کہ یہ لوگ خاندانی لحاظ سے بڑے گھٹیا ہیں اور حضرت سیدنا نوحؑ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ اگر آپ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئیں تو ہم آپ کو سنگسار کردیں گے جو قتل کی بدترین صورت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صاحب ایمان وکردار لوگوں کو نجات عطا فرمائی جو حضرت نوحؑ کے ہمراہ کشتی میں تھے اور جسمانی ڈیل ڈول، قوت وصحت میں عدیم النظیر قوم کے صاحب دولت و اقتدار نافرمانوں کو قہر الٰہی کے طوفان وسیلاب میں بہا کر ہلاک کردیا۔ جزیرۃ العرب کے جنوب میں واقع یمن کے اطراف اور حضر موت کے علاقہ میں بسنے والی بڑی مالدار اور صاحت سلطنت قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے افرادی قوت، زراعت، باغبانی، پرورش حیوانات اور ذرائع حمل ونقل کے لحاظ سے خودکفیل بنایا تھا۔ لیکن اس قوم نے محض فخر وبڑائی جتانے کی غرض سے پہاڑ کی بلندیوں اور اونچے ٹیلوں پر شاندار مکانات، خوبصورت و پختہ محلات، بڑی بڑی کشادہ حویلیاں، عمارتیں اور قلعے تعمیر کیے اور اپنی امارت کی نمائش کے لیے پانی کو پیسہ کی طرح بہاتے تھے لیکن کسی دردمند اور آشفتہ حال کو دیکھ کر ان کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا نہیں ہوتے تھے۔ قوم عاد عموماً ان عمارتوں کا استعمال محض لہوولعب اور عیاشی کے اڈوں کے طور پر کرتے تھے۔ صاحب ہمت وشجاعت حضرت سیدنا ھودؑ نے دنیا کو گزرگاہ سمجھنے کے بجائے سرائے جاودانی سمجھنے والی، بندگی کے اسلوب اور آخرت کو بالکل فراموش کرنے والی اس قوم کو نہایت ہمدردی اور مہربانی کے ساتھ رب کائنات کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے اور تقوی وطہارت والی زندگی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر آگاہ کیا تو قوم عاد کے صاحب دولت واقتدار لوگوں نے حضرت سیدنا ھودؑ کی دعوت قبول کرتے ہوئے صاحب ایمان وکردار بن کر زندگی گزارنے سے انکار کردیا اور دلیری وجرات کے ساتھ آپؑ کو نامعقول و اذیت ناک جواب دیا تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو دردناک آندھی سے ہلاک کردیا جس کے سبب یہ سرکش و متکبر قوم تباہ وبرباد ہوگئی۔ صاحب جاہ وجلال حضرت سیدنا صالحؑ نے مدینہ اور شام کے درمیان واقع 'وادی القری' میں پختہ وخوشحال گھروں میں نازونعمت بھری زندگی گزارنے والی قوم ثمود کو مخلصانہ انداز میں دعوت دی کہ تم لوگ خودخواہی، مقام پرستی، خودنمائی اور جہالت وہوس پرستی جیسی برائیوں کو

ترک کردو، اپنے دلوں کو نور ایمانی سے منور کرلو، خستہ حالوں اور آشفتہ دلوں کو آرام و سکون پہنچانے کی غرض سے مادی وسائل اور فنی مہارت کا استعمال کرو۔ تکبر و تجبر، تعلّی و تفاخر اور لذات حسیہ و شہوات طبعیہ سے مغلوب ہوکر عرصہ دراز سے بے راہ روی کی شکار قوم ثمود نے رعونت کے ساتھ اس دعوت کو ٹھکرا دیا، اللہ تعالی کی نشانیوں کا مذاق اڑایا اور ان کی تحقیر کی تو بھونچال آیا قوم گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑی اور فن سنگ تراشی میں مہارت رکھنے والی قوم ثمود تباہ و تاراج ہوگئی۔ قوم ثمود کی سرگذشت میں ہمارے لیے بڑی عبرت ہے۔ جب حضرت سیدنا لوطؑ نے اپنی گمراہ قوم کو تقوی اختیار کرنے اور ناشائستہ اعمال، اخلاقی بے راہ روی جنسی انحراف اور بے حیائی کو ترک کرنے کی دعوت دی تو بادہ شہوت غرور سے مست قوم لوط نے رہبر الٰہی کی نصیحتوں کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور حضرت سیدنا لوطؑ کو جلاوطن کردینے کی دھمکی دینے لگے۔ اللہ تعالی نے اس بے حیا قوم کو پتھر برسا کر تباہ و برباد کردیا۔ قرآن مجید میں حضرت سیدنا شعیبؑ کی سرکش قوم کی داستان بھی مذکور ہے جو بڑی خوشحال اور ثروت مند ہونے کے باعث غرور و تکبر میں مبتلا ہوگئی تھی۔ حضرت سیدنا شعیبؑ نے اس قوم کو پہلے تقوی کی دعوت دی پھر ان کی اخلاقی اور اجتماعی برائیوں جیسے اقتصادی ناہمواری، کھلم کھلا ظلم، حق کشی اور لوٹ گھسوٹ کی نشاندہی فرمائی اور انہیں ظلم و فساد چھوڑنے، حقوق العباد ادا کرنے اور عدالت کو پیش نظر رکھنے کی تلقین فرمائی لیکن اس ظالم و ستم گر قوم نے آپؑ کو ناموزوں الفاظ، قبیح و نازیبا کلمات میں انتہائی تلخ جواب دیا اور اپنی برائیوں کو جاری رکھنے کے لیے آپؑ پر تہمتوں کی بوچھاڑ کردی۔ ڈھٹائی سے سرکشی و تکذیب کرنے والی اس قوم پر آسمان سے آگ برسنے لگی جس سے وہ سب ہلاک و برباد ہوگیے۔ مذکورہ بالا امم سابقہ کے معاندین کے واقعات میں اہل عقل کے لیے عبرت و نصیحت اور حجت و بصیرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان قصوں کی روشنی میں یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ جس معاشرے میں برائیاں عام ہوجائیں وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے، جو قوم حق کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرتی ہے وہ دردناک عذاب کی مستحق بن جاتی ہے، اللہ اس قدر رحیم و حلیم ہے کہ وہ اپنے نافرمان بندوں سے فوری انتقام نہیں لیتا بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ و استغفار کرکے اس کی رحمت کے حقدار بن جائیں، عزت و ذلت کا تعلق ایمان و کفر سے صنعت و حرفت اور مال و دولت سے نہیں، دنیا کے تمام مصائب و آلام، مسائل و مشاکل بہشت کی نعمتوں کے مقابلے میں ناچیز ہیں لہٰذا معاشرے کو مثالی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے افراد صاحب دولت و اقتدار سے زیادہ صاحب ایمان و کردار کی رفاقت کو ترجیح دیں تاکہ معاشرے کی ساری نحوستیں دم بھر میں پامال ہوجائیں۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دولت و ثروت، جاہ و حشمت، منصب و اقتدار پر فخر کرنے کے بجائے اللہ تعالی اور اس کے حبیبؐ کے احکامات و ارشادات کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے حتی الوسع گناہوں سے اجتناب کرنے کی کوشش کریں تاکہ دارین کی سعادت مندی ہمارا مقدر بن جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اسلامی تعلیمات کی روح کو سمجھنے اور اس پر صدق دل کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طٰہٰ و یٰسین۔

☆☆☆

ڈاکٹر مسیح الزماں انصاری۔ شعبۂ اُردو/فارسی، گجرات یونیورسٹی، احمد آباد (گجرات)

شمس الرحمٰن فاروقی بحیثیت نقاد

(کلاسیکی متون کے حوالے سے)

تخلیق وتنقید ایک دوسرے سے شیر وشکر کی مانند وابستہ ہیں۔ان دونوں کو اگر ایک دوسرے سے جدا کیا جائے تو فن پارے کا حسن مجروح ہوسکتا ہے۔تنقید کا فن اردو ادب میں مغربی سمت سے داخل ہوا ہے لیکن اس سے قطعاً یہ مراد نہیں لیا جاسکتا کہ اردو زبان وادب میں تنقیدی شعور کا فقدان تھا۔ بلکہ یہ فن شعوری اور فطری طور پر اردو ادب میں موجود تھا۔جس کی مثال ہمیں مشاعروں میں دیکھنے کو ملتی تھی۔ جہاں اشعار کے زبان وبیان پر تبصرات اور بحث ومباحثہ کیا جاتا تھا۔اچھے شعر پر شاعر کو داد وتحسین سے نوازا جاتا تھا، وہی غیر موزوں اشعار پر انھیں ہجو کا نشانہ بھی بنایا جاتا تھا۔گویا یہ تنقید ہی تھی جو اچھے اور برے فن پاروں یا اشعار میں امتیاز کرتی تھی اور عوام بھی اس سے محظوظ ہوتے تھے۔

ابتدائی دور میں اردو ادب میں ملاّ اسداللہ وجہی کے عہد سے حسرتؔ موہانی کے دور تک، شاعری کے علاوہ تجربہ کار اور پختہ شاعروں کی شخصیت میں ناقدانہ صلاحیتوں کا جوہر بھی پایا جاتا تھا۔اس کے علاوہ متعدد تصانیف میں موجود تقریظ، دیباچوں اور تبصرات کے ساتھ بیاض اور مکاتیب وغیرہ کا جو بیش بہا ذخیرہ منظر عام پر آیا اس کے حسن و قبح کو بھی ادبی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا۔یعنی تنقید کا جوہر ادب میں پہلے سے ہی موجود تھا اور پھر بہت سے ناقدین منظر عام پر آئے، جن میں سر سید احمد خاں، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولوی عبد الحق، نیاز فتحپوری مجنوں گورکھپوری، کے علاوہ آل احمد سرور، سید احتشام حسین، کلیم الدین احمد، محمد حسن عسکری، گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی اردو زبان وادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کی پیدائش 30/ستمبر 1935ء کو اعظم گڑھ میں اور وفات 25/دسمبر 2020ء کو الہ آباد میں ہوئی۔ شمس الرحمٰن فاروقی بیک وقت ایک محقق، ناقد، افسانہ نگار اور ناول نگار تھے۔مگر اردو ادب میں ان کی پہچان تنقید نگار کی حیثیت سے زیادہ ہوئی۔شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز ایک نقاد کی شکل میں کیا تھا۔انھوں نے اپنی تنقید کے حوالے سے جدید وکلاسیکی متون کو عوام سے روشناس کرایا۔فاروقی نے تقریباً چار دہائیوں تک رسالہ ”شب خون“ کے مدیر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی ہیں اور اعلیٰ پائے کا نقدی ادب بھی پیش کیا ہے۔یہ ماہنامہ اپنی ایک الگ شناخت رکھتا ہے۔کیوں کہ اس کے ذریعے برصغیر ہند وپاک میں اعلیٰ اور جدید تخیلات کے منظر عام پر آنے کے علاوہ دیگر ممالک کے عمدہ ادب کے لیے ترقی کے باب وا ہوئے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ویسے تو ادب میں عموماً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن انھیں شہرۂ آفاق پر پہنچانے والی ان کی تنقیدی کاوش ہے۔تنقیدی میدان میں شمس الرحمٰن فاروقی نے جدید وکلاسیکل متون پر خامہ فرسائی کی ہے۔کلاسیکی متون میں انھوں نے اٹھارویں اور انیسویں صدی کی اردو شاعری اور ادبی نظریات، کلاسیکی عروض کے عملی پہلو، داستانوں اور پس نوآبادیاتی

اردو کا مطالعہ وغیرہ پر خصوصی توجہ مبذول کی ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے اردو ادب کے سلسلے سے انگریزی زبان میں بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے کلاسیکی متون کے حوالے سے جن تصانیف کو قلم بند کیا ہے ،ان میں ''لفظ و معنی''، ''تفہیم غالب''،غالب پر چار تحریریں، ''شعر شور انگیز''(چار جلد)، ''انداز گفتگو کیا ہے''،''اردو غزل کے اہم موڑ''،داستان امیر حمزہ،''اردو کا ابتدائی زمانہ''،''ساحری ،شاہی،صاحب قرانی''، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

''لفظ و معنی'' یہ شمس الرحمٰن فاروقی کی بیش بہا قلمی کاوش ہے ۔جس کی اشاعت پہلی مرتبہ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو نیشنل آرٹ پرنٹرس الٰہ آباد سے منظر پر آئی۔جس کی ضخامت تقریباً ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔موصوف نے اپنی اس تصنیف میں متعدد موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔جن موضوعات کا اس تصنیف میں احاطہ کیا گیا ہے ،ان میں ادب، شخصیت ،شعر کی ظاہری وداخلی ہیئت،اردو وزن وآہنگ کے کچھ مسائل،ترسیل کی ناکامی کا المیہ ،نئی شاعری ایک امتحان،مغرب میں جدیدیت کی روایت،ٹی۔ایس۔ایلیٹ،سید خواجہ میر درد،اور ہندوستان میں نئی غزل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔جس کا احاطہ کلاسیکی متون کے زمرے میں کیا جاسکتا ہے۔کیوں کہ ابتدائی حصے ''ادب پر چند مبتدیانہ باتیں'' کو قرطاس ابیض پر اتار کر ادب کے عنوان کے تعلق سے بحث کی ہے کہ ادب کا موضوع کیا ہوتا ہے۔اس مباحثے میں انھوں نے ادب کے تمام ادوار کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔جس میں کلاسیکی ادب سے لے کر جدیدیت تک کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا پہلو جو''لفظ و معنی'' میں فاروقی نے پیش کیا ہے وہ ''شخصیت سے فرار ممکن نہیں'' باب ہے ۔اس میں انھوں نے شاعری اور شاعر کے متعلق بحث کی ہے۔موصوف کا نظریہ ہے کہ ایک اچھے شاعر کو غیر جانبدار اور کسی مخصوص نظریہ کا حامل نہیں ہونا چاہیے ۔اسی بنیاد پر ایک اچھی تخیلاتی شاعری وجود میں آسکتی ہے۔راقم السطور کے نزدیک موصوف اس نکات کو بیان کرتے ہوئے تمام تحریکات سے متاثرہ کلام کی تردید بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس ضمن میں موصوف نے غالبؔ اور میرؔ کا تذکرہ کرتے ہوئے میرؔ کے کچھ اشعار بھی پیش کیے ہیں، جو کلاسیکل متون کے زمرے میں آتے ہیں۔ان میں سے ایک شعر بطور ملاحظہ کیجئے۔۔۔

ع ''سو ظلم اٹھائے تو کبھی دور سے دیکھا
ہرگز نہ ہوا یہ کبھی پاس بلائے'' ۱؎

۱؎ میرؔ ۔مشمولہ لفظ و معنی۔شمس الرحمٰن فاروقی۔ص ۳۸۔مطبوعہ ۱۹۶۸ء نیشنل آرٹ پرنٹرس الٰہ آباد۔

مندرجہ بالا شعر کے علاوہ فاروقی نے اس موضوع میں میرؔ کے اور بھی اشعار پیش کیے گئے ہیں۔تیسرا باب اس کتاب میں انھوں نے ''شعر کی ظاہری ہیئت'' کو قائم کیا ہے۔جس میں یوروپی شاعری کے ساتھ ہندوستانی شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔جس میں انھوں نے میرؔ، داغؔ، حسرت موہانیؔ وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس پہلو پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ ہندوستانی شاعری میں یوروپی شاعری کی طرح نئی جہت اور نئی ہیئت کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے۔

اس کے بعد''لفظ و معنی'' میں''اردو اوزان وآہنگ کے کچھ مسائل'' سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔جس میں لفظ و شعر کے اوزان وآہنگ ریاضی کے اعداد وشمار کے محاسبہ کے مطابق استعمال کر کے شعر و مصرعے اور اوزان کو صحیح کرنے کا طریقہ پیش کیا گیا ہے۔اس باب میں شعر اور مصرعے کے وزن نیز ساقط الوزن ہونے کے بارے میں معلومات پیش کی ہے۔

مذکورالذکر کتاب میں مصنف نے جتنے بھی عناوین قائم کیے ہیں ان میں کہیں نہ کہیں انھیں نکات کو اٹھانے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق کلاسیکی متون سے براہ راست نظر آتا ہے۔

''تفہیم غالب'' شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک معروف

تصنیف ہے، جس میں غالبؔ کے جدید اشعار کے ساتھ قدیم اشعار کی شرح پیش کی گئی ہے۔اس کتاب میں شمس الرحمٰن فاروقی نے تقریباً ۱۴۸/اشعار کا احاطہ کیا ہے جن میں قدیم اشعار کی تعداد غالباً کثیر ہیں۔ یہ کام موصوف نے تقریباً ۲۳/اپریل ۱۹۶۸ء سے رسالہ ''شب خون'' میں جاری کر دیا تھا اور ہر شمارے میں غالبؔ کے ایک شعر کو پیش کر کے اس کی شرح بھی پیش کی جاتی تھی۔مگر فاروقی نے ان اشعار کی شرح اس طرح پیش کی ہے جس کی جانب پہلے شارحین کی عدم توجہی رہی ہے۔ فاروقی کا یہ نظریہ بھی ہے کہ وہ مشرقی اشعار جن پر قدیم شعراء نے زیادہ توجہ صرف نہ کی ہو ان کو قابل احترام تصور کر کے منظر عام پر لانا چاہیے۔جس کی وضاحت ان کے اس قول سے ہوتی ہے۔

''میرا معاملہ یہ ہے کہ میں مغربی ادب سے واقف ہوں ،لیکن اس سے مرعوب نہیں ہوں۔لہذا غالب کے بارے میں میرا یہ رویّہ پرانے شرّاح کے رویّے سے مختلف ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں مشرقی شعریات ،یعنی وہ شعریات جس کی ہمارے کلاسیکی شعرا نے شعوری یا غیر شعوری طور پر پابندی کی ہے ،وہ میری نظر میں بہت محترم اور مستحسن ہیں''۔ ۲؎

۲؎ تفہیم غالب۔شمس الرحمٰن فاروقی۔ص۱۵۔سن اشاعت ۱۹۸۹ء۔ناشر غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی۔

مندرجہ بالا قول سے یہ بات مکمل واضح ہوجاتی ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کلاسیکی اقدار،شعریات ،اور متون کی نہ صرف قدر کرتے ہیں، بلکہ وہ انھیں قابل احترام تصور کر کے ان کی قبیح کو دور کرتے ہوئے انھیں محفوظ بھی کرنا چاہتے ہیں۔تفہیم غالبؔ تصنیف اس کی ایک بانگی (کسی چیز کی ابتدائی شکل دکھانا) محسوس ہوتی ہے۔

''شعر شور انگیز'' شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک شاہکار تصنیف ہے۔جو کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔جس میں انھوں نے میرؔ کے کلام کو نہ صرف معنی و مطالب کے انداز میں پیش کیا ہے، بلکہ اس میں قاری کے لیے ایک جانچنے پرکھے انداز میں ناقدانہ حیثیت بھی قائم کی ہے۔جس کو قدیم اور روایتی کلام کی ہیئت شعری کا تعین کہا جاسکتا ہے،اور اس کو قابل تعریف سعی بھی کہا جاسکتا ہے۔

غزلیات میرؔ کی وضاحت میں مشرقی شعریات ،اور گاہِ بگاہِ اسلامی تصورات و نظریات کے ساتھ جس طرح یوروپی تخیلات کو پیش کیا گیا ہے اس سے شعرفہمی کا ایک جدید در ضرور کھلتا ہوا نظر آتا ہے۔فاروقی نے میرؔ کی زندگی پر اثر انداز یاسیت اور ناامیدی کے آنچل کو برطرف کرتے ہوئے ،ان کی شوخی و تیز طراری کے ساتھ ان کی حیات کی لطافت وحسن کاری کے بھی جوہر پیش کیے ہیں۔اس طرح رنج وغم کے دائرے سے باہر ہوکر میر نے ''نئے نئے مضامین وتخیلات'' کے نت نئے انداز میں جوہر دکھلائے۔شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقیدی بصیرت پر'' نثار احمد فاروقی''یوں رقم طراز ہیں۔

''میر کے شعر کی طرح (شمس الرحمٰن) فاروقی کی تنقید میں بھی شور انگیزی ہے''۔ ۳؎

۳؎ سوالات کے آئینے میں ''شعر شور انگیز''۔ سلمان عبدالصمد۔جنوری۔۲۰۲۱۔اشتراک نیا قلم نیا سویرا۔اشتراک.کام سے ماخوذ۔

اس جملے سے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ''شعر شور انگیز'' کی قرأت کرتے وقت ایسی کائنات کی سیر کرنے کو ملتی ہے جس میں روشِ نقد کے متعلق متعدد مسائل ذہن پر نقش ہوجاتے ہیں۔ جس سے شرح ونقد کی فصل میں تیز فہمی اور نکتہ سنجی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔اس امر سے قاری کو بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کو ملتا ہے۔

شعر شور انگیز کے مضمون'' خدائے سخن میرؔ کہ غالبؔ'' کے تحت متعدد معروف مفروضوں پر منطقی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ یہ ایسا باب ہے جس میں میرؔ کی ہمہ گیر شخصیت،فصاحت وبلاغت اور ان کے کلام کے مختلف نمونے سامنے آتے ہیں اور'' خدائے سخن'' کے ڈانڈوں کی جانب ذہن مبذول ہونے لگتا ہے۔خلاصۂ کلام

یہ کہ میرؔ نے اپنی قلمی کاوش میں قصیدہ،غزل،مرثیہ،مثنوی،رباعی ،شہرآشوب،واسوخت،کے علاوہ ہجویات جیسی اصناف پر بھی سخن طرازی کی ہے۔اس کے علاوہ میرؔ وغالبؔ کے تخیلات میں بھی زمین وآسمان کا فرق محسوس ہوتا ہے۔کیونکہ غالبؔ کے تخیلات میں بلندی اور باریکی کے جوہر نظر آتے ہیں،جب کہ میرؔ تصورات میں عاجزی اور وسعت پائی جاتی ہے۔اس لیے ''خدائے سخن'' جیسا اعزازی الفاظ میرؔ کی ہی شایان شان ہے۔

''اردوغزل کے اہم موڑ'' اس کتاب میں موصوف نے اردوغزل کے اہم نکات کو پیش کیا ہے۔جس میں خاص طور پر زمانی اعتبار سے اہم اور ضروری مطالبوں کے پیش نظر غزلیہ شاعری میں استعمال ہونے والی ابہام گوئی کو قاری کے سامنے جدید تجربات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔فاروقی نے اس تصنیف میں متعدد جگہوں پر اردوادب کے بلند پایہ شعراء کے حوالے سے ایسے انکشافات کیے ہیں جو قاری کو حیرت واستعجاب کی وادیوں تک لے جاتے ہیں۔''اردوغزل کے اہم موڑ'' کی قرأت کرنے کے بعد قاری کے ذہنی دریچوں میں غوروپرداخت کی نئی روشنی کا داخلہ ہونے لگتا ہے،اور پہلے سے طے شدہ مفروضات کی نظم و ترتیب کو جدید فکر کے زاویے میں ڈھال کر پیش کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

مذکورالذکر قلمی کاوش میں شمس الرحمٰن فاروقی نے غزلیہ شاعری سے متعلق جن موضوعات کا احاطہ کیا ہے ان میں ''ابہام،رعایت،اورمناسبت'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ان تمام موضوعات کو اردو کی غزلیہ شاعری کے اندر''صنائع'' میں پیش کیا جاتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ زمانی اعتبار سے ان کی اہمیت وافادیت میں ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسی دور میں انھیں شاعری کے ضروری لیے تصور کیا گیا،اور کبھی انھیں سرے سے ہی خارج کردیا گیا۔لیکن پھر بھی ہر عہد میں اردوغزلیہ شاعری میں ان کا بول بالا رہا ہے،اور ایسے معدودے چند شعراء ہونگے جنھوں نے ان کو برتنے سے اجتناب کیا ہوگا۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے پہلے پہل اس موضوع کو''مقدمہ شعروشاعری'' میں قلم بند کیا۔حالیؔ کی یہ پہل اس عہد کے اعتبار سے لائق ستائش کارنامہ ہے۔لیکن یہاں پریشانی یہ سامنے آتی ہے کہ حالیؔ اس موضوع کے ساتھ مکمل عدل نہ کرسکے،اوراس کی تہہ تک پہنچے بنا ہی اس کا نفسیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے،فقط چند پرانے ناقدین کے احوال پر ہی اکتفا کرگئے۔حالاں کہ حالی اپنی اس کاوش کے ذریعے اردوغزل کا مستقبل سنہرا بنانا چاہتے تھے مگر جس نظریے سے انھوں نے اس کا مطالعہ کیا ان کو اس میں صرف برائیاں ہی نظر آئیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی کی تصنیفات میں بھی اس طرح کی کیفیت نظر سے گذرتی ہیں جس کے مطالعے سے قاری حیرت زدہ ہوجاتا ہے۔یعنی وہ بھی حالیؔ کی طرح اس دور کو بھی ایہام گوئی کا زمانہ تصور کرتے ہیں جس عہد میں غالبؔ،سوداؔ،اور انیسؔ کا طوطی بول رہا تھا۔فاروقی کی قلمی کاوش سے قاری کو حیرت تو ضرور ہوتی ہے مگر وہ اس کو مدلل ثبوت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔جس کی وجہ سے دوران مطالعہ قاری استعجاب کی وادیوں سے نکل فکر وتدبر کی راہوں میں گم ہوجاتا ہے۔

''داستان امیر حمزہ''،یہ بہت ہی معروف کلاسیکل داستان ہے۔جس کا مطالعہ لوگ صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں۔اس داستان کے متعلق بہت سے قلم کاروں نے اپنی آراء قرطاس ابیض پر تاری ہونگی،اور قارئین بھی ان سے یقیناً محظوظ ہوئے ہوں گے۔چونکہ شمس الرحمٰن فاروقی کے ادبی کارناموں کا اصل میدان داستان اور افسانہ رہا ہے،اس لیے جب انھوں نے داستان امیر حمزہ پر ناقدانہ کام شروع کیا تو سب سے پہلے اس کتاب کے تقریباً پچاس نسخوں کا عمیق مطالعہ کیا،بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ایک ایک حروف کو انھوں بغور پڑھا تو مضائقہ نہیں ہوگا۔اس کے بعد فاروقی کی یہ معروف تصنیف ''داستان امیر حمزہ:زبانی بیانیہ،بیان کنندہ،اور سامعین'' کے نام

سے ۲۶ر فروری ۱۹۹۸ء کو منظر عام پر آئی۔

اس کتاب میں جو ابواب قائم کیے گئے ہیں ان میں تعارفی تقریر، استقبالیہ، زبانی بیانیہ، بیان کنندہ، اور سامعین، وغیرہ شامل ہیں۔اس میں پہلا مضمون جو کہ ''تعارفی تقریر'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے، اس کو ڈاکٹر امیر عارفی پروفیسر وصدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے پیش کیا تھا، جس میں دیگر پروفیسر حضرات کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی کی شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس مضمون میں فاروقی کے ترقی پسند تحریک سے اجتناب اور جدید طرز فکر کی راہ کو ہموار کرنے کا تذکرہ بڑے وثوق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں فاروقی کی اور بھی کثیر الجہت فکر وزاویہ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک اور تصنیف جس کو ''ساحری، شاہی، اور صاحب قرانی: داستان امیر حمزہ کا مطالعہ '' جلد دوم ''علمی مباحث'' کے نام سے ''قومی کونسل برائے فروغ اردو'' نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا تھا، اس میں بھی شمس الرحمٰن فاروقی نے کئی نکات کو موضوع بحث بنایا ہے۔اس میں دیباچہ اور اشاریہ کے علاوہ تقریباً چھ باب اور قائم کیے گئے ہیں، جن میں ''باب اول: کتنے دفتر، کتنی جلدیں؟''، ''باب دوم: ترتیب داستان''، ''باب سوم: داستان امیر حمزہ کے کتنے صفحے؟''، ''باب چہارم: تاریخ اشاعت ، ترتیب و تصنیف داستان''، ''باب پنجم: ذکر داستان''، اور ''باب ششم: داستان کا افسانہ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ان تمام ابواب میں شمس الرحمٰن فاروقی نے داستان گوئی کی اہمیت وافادیت سے قاری کو آگاہ کیا ہے، اور داستان گوئی کی تدریجی اہمیت کے ساتھ اس کے دورِ تنزلی پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔

''اردو کا ابتدائی زمانہ'' شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ تصنیف در اصل اولین عہد کے ایک مضمون کی شکل میں منظر عام پر آئیں، جو شکاگو یونیورسٹی کی پیش کش پر تحریر کیا گیا تھا۔جس میں اردو زبان ادب کے ابتدائی دور مفصل گفتگو پیش کی گئی ہے۔یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آئی، جو کہ اردو محققین کے لیے ایک بیش بہا سرمایا ثابت ہوئی۔زیر بحث کتاب میں ادبی ثقافت کے ساتھ تاریخی زاویوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔جس میں اشاریہ اور حوالاجات کے علاوہ سات ابواب قائم کیے گیے ہیں۔باب اول میں ''تاریخ، عقیدہ، اور سیاست''، باب دوم میں ''تاریخ کی تعمیر نو، تہذیب کی تشکیل''، ''باب سوم میں'' شروعات، وقفے، قیاسات''، باب چہارم میں ''نظری تنقید، اور شعریات کا طلوع''، باب پنجم میں ''وقفے، اور پھر حقیقی آغاز، شمال میں''، باب ششم میں ''ولی نام کا ایک شخص''، اور باب ہفتم میں ''نئے زمانے، نئی ادبی تہذیب''، وغیرہ کو قلم بند کیا گیا ہے۔اس مضمون یا کتاب کی اشاعت پذیر ہونے کے تعلق سے شمس الرحمٰن فاروقی کتاب کے دیباچے میں یوں نقل کرتے ہیں۔

''شکاگو یونیورسٹی میں National Endowment for Humanities نامی ادارے کے تعاون سے ایک وسیع وعریض منصوبہ کئی سال ہوئے بنا تھا۔اس منصوبے کے تحت ہندوستان کی بڑی زبانوں کی ادبی تہذیب ، ادبی اور ثقافتی تاریخ سے ان کے رشتوں، ان کے آپسی روابط، اور ادب کے بارے میں ان زبانوں میں رائج تصورات کے مطالعہ مقصود تھا کہ ہندوستان ہی نہیں، مغرب میں بھی کوئی بسیط اور جامع کام اس موضوع پر نہیں ہوا ہے۔قدیم وجدید ہندوستان میں ادب اور لسان اور اقتدار میں کس طرح کے رشتے وجود میں آئے ؟ کوئی زبان ''ادبی'' زبان کس طرح اور کب بنتی ہے؟ کسی زبان میں ادب پیدا کرنے والوں کے مابین، اور ادب کو برتنے والوں کے مابین جو سلسلے قائم ہوتے ہیں، کیا ان کی نوعیت صرف طاقت پر بنتی ہے یا صرف بیع وشریٰ کے معاملات پر، یا کوئی

تہذیبی آدرش اور ثقافتی تعامل بھی اثر انداز ہوتا ہے؟''۔ ؎

؎ اردو کا ابتدائی زمانہ۔شمس الرحمٰن فاروقی۔ص۔۸۔مطبوعہ ۱۹۹۹ء۔۳۱۶مدینہ سٹی مال،عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی۔

محولہ بالا عبارت سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ مذکور الذکر فن پارے میں فاروقی نے جو بحث ومباحثہ پیش کیا ہے اس سے اردو کے ابتدائی خدو خال اور اولین نقوش کے متعلق نسل جدید کے محققین و ناقدین کے علم میں جہاں اضافہ ہوگا وہی ان کو ایک کلاسیکی وقدیم تاریخی معلومات بھی حاصل ہوگی۔جس کی روشنی سے وہ تمام اہل علم و دانش مستفیض ہو کر نئی تحقیق وتنقیدی راہوں میں مسلسل آگے بڑھتے رہیں گے۔

پیش کردہ مقالے میں یہ چند نکات جو راقم الحروف نے بڑی عرق ریزی اور جد وجہد کے ساتھ اخذ کر کے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں ان سے یہ اندازہ لگانے میں شاید ہی کوئی دشواری پیش آئے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نہ صرف جدید تنقیدی صلاحیت کے علمبردار تھے، بلکہ ان کو کلاسیکی متون میں بھر پور تنقیدی بصیرت حاصل تھی۔

محدود اور متعین وقت میں بہت سے مواد کو سمیٹنا بڑا مشکل کام ہے لیکن پھر بھی جہاں تک راقم السطور سے ہو سکا مواد کو ربط اور تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔لیکن اس کے باوجود چند صفحات میں فاروقی کے تنقیدی شعور کو بہت تفصیل سے ضابطۂ تحریر میں لانا ایک مشکل امر ہے۔اس لئے ہنوز اس مقالے میں فاروقی کے بعض تنقیدی اسلوب پر تحریر کی تشنگی کا مجھے احساس ہے۔میں نے اپنی بساط اور فہم بھر جو ہو سکا اس مقالے کے توسط سے یہاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔پھر بھی ممکن ہے ایسے بہت سے نکات ابھی باقی ہوں گے جہاں پر شاید فاروقی کی رسائی نہ ہو سکی ہو،اور جن پر ابھی بھی بہت سا کام ہونا باقی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام مکمل اور حرف آخر نہیں ہوتا اور تحقیق کا باب ہمیشہ کھلا رہتا ہے اس لیے جدید محقق و ناقدین کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ ان کو تلاش کر کے ان پر تحقیق و تنقیدی آرا پیش کریں۔تا کہ اہل دانش کے علم وادب میں مزید اضافے کا باعث بن سکے۔

☆☆☆

پروین—شاکر

غزل

ہر شخص تو ہوتا نہیں ہر بات کے قابل
ہر شخص کو ہر بات بتایا نہیں کرتے

قد آوروں کے ساتھ نہ چلنا مرے یارو
اونچے کہیں بھی خاک پہ سایہ نہیں کرتے

سچ بات کہاں بولتے ہیں لوگ یہاں پر
فوراً کسی کی بات میں آیا نہیں کرتے

اِخلاص اور احساس کا اَفلاس ہے ہر سُو
اِس دور میں جذبات لُٹایا نہیں کرتے

یہ تختِ خُدا ہے اِسے تُم پاک ہی رکھنا
ہر شخص کو اِس دِل میں بسایا نہیں کرتے

خاموشیوں کو جو تری خاطر میں نہ لائے
اُس شخص پہ الفاظ کو ضائع نہیں کرتے

ڈاکٹر ساگر کا۔اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، تلنگانہ

عالمی ضروریات کے لیے اعلیٰ تعلیم میں ٹیکنالوجی کا انضمام

خلاصہ

چونکہ انفارمیشن ٹیکنالوجی تعلیم کی فراہمی کے لیے ایک مؤثر ذریعہ ہے، اس لیے اس کا تعلیمی اداروں میں انضمام نہایت ضروری ہے۔ تعلیم اور تحقیق ٹیکنالوجی کو بہتر بناتی ہے، جس کے نتیجے میں تدریسی طریقۂ کار میں بہتری آئی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے تعلیمی رسائی کو اور وسعت دی ہے۔ گزشتہ دہائی کے دوران انفارمیشن ٹیکنالوجی، نظاموں اور ایپلی کیشنز کے استعمال میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ آج کلاس روم میں طلبا و طالبات اور ان کے والدین سے رابطہ رکھنے کے لیے ٹیکنالوجی ناگزیر ہو چکی ہے۔ یہ ٹیکنالوجی اسکول اور گھر کے درمیان ایک پُل قائم کرتی ہے۔

تعارف:

اکیسویں صدی ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی کی علامت ہے اور اسے چوتھے صنعتی انقلاب سے جوڑا جاتا ہے۔ اسکھی پے، کاگا اور بوآڈزو (2020) کے مطابق، اس انقلاب نے تدریس و تعلم کے تصورات کو یکسر بدل دیا ہے۔ بلائنڈر (2006) نے اس کے اثرات کی پیش گوئی کی تھی اور تجویز دی تھی کہ اساتذہ کو ٹیکنالوجی کے استعمال میں مہارت حاصل کرنی چاہیے۔ اس میں کمپیوٹرز، معاون آلات، سافٹ ویئر اور ایپلی کیشنز شامل ہیں۔ لہٰذا، تربیتی مرحلے میں ہی اساتذہ کو ڈیجیٹل مہارتیں سکھانا اور تدریس میں ٹیکنالوجی کے انضمام کے قابل بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

یہ مطالعہ اس بات کی جانچ کے لیے کیا گیا کہ کس طرح گوگل سائٹس جیسے آن لائن پلیٹ فارم کو اعلیٰ تعلیم میں مؤثر تدریس اور سیکھنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ پلیٹ فارم اپنی آسانی اور اشتراکی ویب سائٹ کی تشکیل کی صلاحیت کے باعث منتخب کیا گیا۔

تحقیقی سوال:

کیا ویب سائٹ ڈیزائن کا تدریسی استعمال اعلیٰ تعلیم میں تدریس و تعلم کے معیار کو بہتر بنا سکتا ہے؟

ژُوانا (2008) کے مطابق، اعلیٰ تعلیم میں ٹیکنالوجی کے مؤثر انضمام کے لیے ضروری ہے کہ ان رکاوٹوں کو سمجھا جائے جن کا سامنا تربیتی اساتذہ کو ہوتا ہے۔

ٹی پیک (TPACK) ماڈل:

ٹی پیک ماڈل مختلف علمی شعبوں پر مشتمل ہے جن پر اساتذہ کو عبور حاصل ہونا چاہیے تاکہ وہ جدید ٹیکنالوجی کو تدریسی عمل میں مؤثر طریقے سے شامل کر سکیں) کوہلر و دیگر، (2014۔ یہ ماڈل تدریسی مواد، تدریسی حکمتِ عملی اور ٹیکنالوجی کے باہمی ربط کو اجاگر کرتا ہے۔ اس فریم ورک کے ذریعے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کس طرح تربیتی اساتذہ مختلف علمی

شعبوں میں مہارت حاصل کرتے ہیں اور اسے کلاس روم میں بروئے کار لاتے ہیں۔

یہ نظریہ تربیتی اساتذہ کو ٹیکنالوجی کے مؤثر انضمام کی تربیت دینے میں کامیاب رہا ہے۔(ہاروی اور کیرو، 2017)

نصاب سازی کی اہمیت:

1- منظم سیکھنے کا راستہ: نصاب کا بنیادی مقصد سیکھنے کے لیے ایک قابلِ حصول فریم ورک مہیا کرنا ہے۔

2- مواد کی ساخت کا تعین: نصاب سازی یہ طے کرتی ہے کہ کس جماعت کے لیے کس طرح کا مواد موزوں ہوگا۔

3- تدریسی طریقوں کا تعین: یہ عمل طالب علم مرکوز طریقہ؟ تدریس کو فروغ دیتا ہے۔

4- علم، مہارت اور رویے کی ترقی: نصاب نہ صرف علمی ترقی بلکہ تخلیقی صلاحیتوں کو بھی فروغ دیتا ہے۔

(Ed.Tech) ایڈٹیک کا رجحان:

2019 میں، عالمی سطح پر ایڈٹیک میں 18.7 بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کی گئی۔آج طلبا کی ایک بڑی تعداد محسوس کرتی ہے کہ تعلیمی ٹیکنالوجی نے ان کی تعلیمی کارکردگی کو بہتر بنایا ہے۔

ٹیکنالوجی کے نمایاں رجحانات کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔روبوٹکس

2۔بگ ڈیٹا

3۔ورچوئل و آگمینٹڈ ریئلیٹی

4۔مشین لرننگ

5۔مصنوعی ذہانت

جیسے ہارورڈ اور ایم آئی ٹی ورچوئل ریئلیٹی کو استعمال کر رہے ہیں۔مزید یہ کہ سستے اور مؤثر اے آر/وی آر آلات میں سرمایہ کاری کی جا رہی ہے۔

تعلیم میں ٹیکنالوجی کے 11 مؤثر استعمال

1۔ڈیجیٹل مواد کی تخلیق

2۔آگمینٹڈ ریئلیٹی

3۔ٹیبلیٹس کا استعمال

4۔سمارٹ بورڈز

5۔ویڈیو کانفرنسنگ

6۔ملٹی میڈیا اسباق) پوڈ کاسٹ، ریکارڈڈ لیکچرز

7۔تھری ڈی پرنٹنگ

8۔ڈیجیٹل فیلڈ ٹرپس

9۔طلبا سے رائے کا حصول

10۔ڈیجیٹل کلاس کیلنڈر

11۔گیمیفائیڈ لرننگ (کھیل کے ذریعے تعلیم)

کلاس روم میں چارجنگ اسٹیشنز کیوں ضروری ہیں؟

1۔آلات کو چارج رکھنے کے لیے مناسب مقام

2۔سیکیورٹی میں اضافہ

3۔تنظیم اور ترتیب میں بہتری

4۔کلاس روم کی ضروریات کے مطابق ترتیب دینا

نتیجہ

موجودہ حالات میں، تعلیمی اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصاب کی فراہمی میں ٹیکنالوجی کا انضمام کریں تاکہ یہ موجودہ دور کے ٹیکنالوجی سے واقف طلبہ کے لیے مؤثر اور دلچسپ بن سکے۔اس کے لیے اساتذہ، منتظمین، تعلیمی رہنما اور حکومتی اداروں کو مل کر ایک اصلاحی لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر محمد اعظم ندوی۔ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

پانی: نعمت بھی، امانت بھی

پانی... یہ محض ایک بے رنگ سیال نہیں، بلکہ زندگی کی خاموش نبض ہے، جو ہر شے میں دھڑکتی ہے، یہ قدرت کا وہ نغمہ ہے جو بادلوں کے ساز پر بجتا ہے، زمین کی کوکھ سے ابھرتا ہے، اور ہر جاندار کے وجود میں اثر انداز ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو ہر وقت ہماری نگاہ کے سامنے رہتی ہے مگر افسوس، شعور کی آنکھ سے اوجھل ہے، اگر یہ ایک لمحے کے لیے رُک جائے، تو زمین کے سینے پر سانس لینا دشوار ہو جائے، بستیوں کے چراغ بجھ جائیں، تہذیبیں ماضی کی قبروں میں دفن ہو جائیں، اور جب یہی پانی اترتا ہے تو صحرا نخلستان بن جاتے ہیں، ویران میدان گلزاروں میں ڈھلتے ہیں، اور مردہ زمین زندہ ہو اٹھتی ہے، قرآن کہتا ہے:

"اور تم دیکھتے ہو کہ زمین مرجھائی ہوئی پڑی ہے،
پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں
آتی ہے، اس میں بڑھوتری ہوتی ہے، اور وہ ہر قسم
کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے" (الحج:5)

قرآن مجید میں اور بھی متعدد مقامات پر پانی کی اہمیت اور اس کی معنوی افادیت کو اجاگر کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا" (الأنبیاء: 30)، یہ محض ایک دینی بیانیہ نہیں بلکہ ایک سائنسی صداقت بھی ہے، جدید علم الحیات کی تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر جاندار کی ترکیب میں ایک خاص لطیف مادہ پایا جاتا ہے، جسے نخز مایہ اور پروٹو پلازما protoplasm کہتے ہیں، یہ وہ بنیادی جوہر ہے جس سے خلیے بنتے ہیں، اور جس کی ساخت کا بڑا حصہ پانی پر مشتمل ہے، گویا پانی محض بیرونی زندگی ہی نہیں، بلکہ اندرونی وجود کا بھی جوہر ہے، بعض مفسرین نے آیت کی تفسیر میں اسے نطفۂ حیات حیاتی مادہ seminal fluid قرار دیا ہے، اور بعض نے اسے پروٹو پلازما کے وسیع مفہوم میں دیکھا ہے۔ طبِ جدید اور علمِ حیوانات biology کے مطابق، تمام جانداروں کے جسمانی نظام میں پانی نہ صرف بطورِ مرکب موجود ہے بلکہ جسمانی افعال کی تکمیل کا ذریعہ بھی ہے، "کل" کا لفظ یہاں عمومی ہے، اور اگر چند استثنائی مثالیں بھی ہوں، تو وہ اس قاعدہ کلیہ کے مفہوم کو ختم نہیں کرتیں، جیسا کہ علمِ بلاغت میں معروف ہے۔

یہی پانی جب آسمان سے برستا ہے، تو زمین کے مردہ ذرات میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے، بارش کا ہونا، چشموں کا ابلنا، نہروں کا بہنا، سب قدرت کے ایک ایسے نظامِ فیض کا حصہ ہے، جو انسان کو اپنی بے بسی اور اللہ کی قدرت کا احساس دلاتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا: "کیا تم نے اس پانی پر غور کیا جو تم پیتے ہو؟ کیا تم نے اسے بادلوں سے برسایا یا ہم برسانے والے ہیں؟" (الواقعہ: 68-69)۔ یہ سوال محض استفسار نہیں، بلکہ ایک تنبیہ ہے — کہ جس نعمت کو تم نے روزمرہ کی عادت سمجھ رکھا ہے، وہ دراصل ایک عطیہ ہے،

ایک امانت ہے، جو کسی بھی لمحے واپس لی جا سکتی ہے، اس لیے ہر حال میں اس کے بے جا استعمال سے منع کیا گیا، امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے پاس سے گزرے، جب وہ وضو کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: ''اے سعد! یہ کیسا اسراف ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟'' تو آپ نے فرمایا: ''ہاں، اگرچہ تم جاری نہر پر ہی کیوں نہ ہو۔'' (احمد: 6768، ابن ماجہ: 419)

اس ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی قدر صرف قلت کے وقت ہی نہیں، فراوانی کے عالم میں بھی کی جاتی ہے، یہ شعور، یہ وقار، اور یہ تمیز ہی دراصل اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے، وضو جو ایک روحانی عمل ہے، اس میں بھی پانی کے استعمال میں میانہ روی کی ہدایت دی گئی ہے، تاکہ انسان اپنے رویّے سے اللہ کی نعمت کی قدر اور اس کے آداب کو سمجھے۔

اسلام صرف عبادت کا دین نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر نظامِ حیات ہے، جس میں ماحولیات، وسائل، اور فطری توازن کو خاص مقام حاصل ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ''کھاؤ، پیو، لیکن اسراف نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا'' (الأعراف: 31)، اور مزید فرمایا: ''بے شک فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں'' (الاسراء: 27)۔ یہ آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ پانی کا بھی فضول استعمال ایک اخلاقی انحطاط ہے، جو انسان کو شیطانی راستوں کی طرف لے جاتا ہے۔

بدقسمتی سے جدید دنیا، جو سائنس، ترقی اور ٹکنالوجی کے زعم میں آسمانوں کو چھو رہی ہے، وہ زمین پر بہتے پانی کے احترام سے محروم ہوتی جا رہی ہے، کارخانوں کا فضلہ، کیمیائی زہر، زرعی بے احتیاطیوں اور شہری غفلت نے پانی کے صاف ذخائر کو آلودگی کے گڑھے میں تبدیل کر دیا ہے، برفانی دریا یعنی گلیشیئر Glacier تیزی سے پگھل رہے ہیں، زیر زمین ذخائر گھٹ رہے ہیں، بارشیں بے موسم ہو چکی ہیں، اور دریاؤں کے دھارے سوکھ رہے ہیں، اگر آج ہم نے سنجیدگی سے اصلاح نہ کی تو مستقبل کی نسلیں پیاس، ہجرت، بیماری اور خانہ جنگی جیسے المیوں سے دوچار ہو سکتی ہیں، قرآنِ کریم میں ہے: ''اور ہم نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی نازل کیا، پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیا، اور ہم اسے لے جانے پر بھی قادر ہیں'' (المؤمنون: 18)۔ یہ آیت ایک طرف اللہ کے علم اور قدرت کی وسعت کو بیان کرتی ہے، تو دوسری طرف انسان کو خبردار بھی کرتی ہے کہ اگر تم نے اس نعمتِ ربانی کو ضائع کیا، تو تم اس سے محروم کیے جا سکتے ہو۔

لہٰذا پانی صرف ایک قدرتی مظہر نہیں، بلکہ ایک تہذیبی امتحان بھی ہے، یہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ اس نعمت کی حفاظت کو عبادت کا درجہ دیں، گھروں، اداروں، مسجدوں، کھیتوں اور کارخانوں میں اس کے استعمال کو منظم کریں، اور نئی نسل کے دل و دماغ میں یہ شعور بیدار کریں کہ یہ مائع صرف مادی نہیں، بلکہ روحانی، تہذیبی اور اخلاقی امانت ہے — جس کی حفاظت نہ صرف ایمان کی علامت ہے، بلکہ بقاء کی ضمانت بھی، یہی وہ لمحہ جہاں دین، سائنس، عقل اور فطرت ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کر ہمیں یہ پیغام دیتے ہیں: پانی کو بہاؤ نہیں، سنبھالو... یہ رب کی عطا ہے، اور تمہاری اخلاقیات کا امتحان، جنید حزیں نے کیا خوب کہا ہے:

قطرہ نہ ہو تو بحر نہ آئے وجود میں
پانی کی ایک بوند سمندر سے کم نہیں

مفتی امداد الحق بختیار قاسمی۔استاذ حدیث وشعبہ افتاء دارالعلوم حیدرآباد

ایئر انڈیا ہوائی جہاز کا دردناک حادثہ
عبرت کے چند سبق

احمد آباد/ گجرات میں جمعرات (12-06-2025) کو دوپہر کے وقت ایک دردناک حادثہ پیش آیا، ایئر انڈیا کی پرواز (فلائٹ اے آئی 171، بوئنگ 8-787 ڈریم لائنر) جو (242) مسافرین کے ساتھ لندن گیٹوک جا رہی تھی، پرواز (Take Off) کرتے ہی، یہ جہاز ایئرپورٹ کے قریب ایک میڈیکل ہاسٹل کی عمارت پر گر کر تباہ ہوگیا، سوائے ایک مسافر کے، ہوائی جہاز میں موجود تمام مسافرین، کرو ممبرز، پائلٹ اور کو پائلٹ، سب کے سب منٹو سکنڈوں میں موت کے منہ میں چلے گئے، ایک لمحے میں موت نے مرد وخواتین، بوڑھے، جوان اور بچے سب کو اپنا شکار بنالیا، سب ہمیشہ ہمیش کے لیے اتنے دردناک طریقہ سے اس دنیا کو الوداع کہہ کر چلے گئے۔ کچھ ہی لمحوں میں ان کی پوری دنیا تباہ ہوگئی، ان کے پیچھے کچھ بچا تو ان کی جلی ہوئی لاشیں اور روتے بلکتے رشتہ دار۔ یہ انتہائی خوفناک حادثہ تھا، جس نے ہر دل کو غمگین اور ہر آنکھ کو نم کیا۔ اس حادثہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

دنیا فانی ہے:

اس حادثہ سے ایک بار پھر یہ کڑوی حقیقت تازہ ہوجاتی ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے، اس دنیا سے ہر ایک کو جانا ہے، کوئی یہاں ہمیشہ کی زندگی لے کر نہیں آیا ہے، یہ دنیا خود بھی فنا (To be destroyed) ہونے والی ہے اور اس میں موجود ہر چیز کو ایک نہ ایک دن فنا ہونا ہے؛ لہٰذا اگرچہ یہ دنیا بہت پرکشش (Atractive) ہے، انسان اس کی خوبصورتی اور کشش (Atraction) میں ایسا غافل ہوجاتا ہے، یہاں کی مصروفیات، یہاں کے تعلقات اور یہاں کے کاروبار میں ایسا کھو جاتا ہےکہ بسا اوقات اس کی نقل وحرکت سے لگتا ہے کہ وہ دنیا کے فنا ہونے کو بھول چکا ہے؛ لیکن یہ ایک خطرناک غلطی ہے، جس کا خمیازہ اسے ایسے وقت بھگتنا پڑتا ہے، جب پیچھے مڑنے کے تمام راستے بند ہوجاتے ہیں۔

دنیا کے بارے میں قرآن نے بالکل صاف کردیا ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً (7) وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيداً جُرُزاً (8)۔ ترجمہ: ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو اس کے لیے خوبصورتی کا ذریعہ بنایا ہے؛ تاکہ ہم جانچ سکیں کہ انسانوں میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے، اور یقیناً ہم دنیا کی تمام چیزوں کو ایک ہموار میدان بنادیں گے۔ (سورۃ الکہف)

يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (39) ترجمہ: اے لوگوں! یقیناً یہ

دنیا کی زندگی چندروز کا سامان ہے اور آخرت ہی باقی رہنے والا گھر ہے۔(سورۃ غافر)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (27). ترجمہ: روئے زمین کی ہر چیز فنا ہوگی اور رب ذوالجلال والاکرام کی ذات باقی رہے گی۔(سورۃ الرحمٰن)

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں:

اس ہوائی جہاز میں بیٹھے شاید کسی پینجر (Passenger) کو یہ خیال نہیں گزرا ہوگا کہ چند منٹ بعد میری موت آنے والی ہے، میں اپنی زندگی کے آخری مرحلہ اور آخری اوقات میں ہوں، میری زندگی مکمل ہو چکی ہے اور اب کچھ دیر بعد ہی جسم فنا جائے گا اور روح رخصت ہو جائے گی، اسی طرح ان کو رخصت کرنے (See Off) والے رشتہ داروں، دوست، احباب اور متعلقین میں سے بھی شاید کسی کو یہ خیال نہیں گزرا ہوگا کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے، اسی طرح جس میڈیکل ہاسٹل کی بلڈنگ پر جہاز گرا ہے، اس میں موجود کسی ڈاکٹر اور میڈیکل کے طالب علم کو بھی معلوم نہیں ہوگا کہ اب ان کی زندگی کا (The End) ہونے والا ہے؛ لیکن دنیا نے غم اور افسوس کے سایہ میں دیکھا کہ موت آئی اور بھیانک شکل میں آئی اور جتنوں کی زندگی مکمل ہو چکی تھی، اس نے سب کو اپنا شکار بنا لیا، جس کی زندگی پوری نہیں ہوئی تھی، وہ کراماتی طور پر صحیح سالم اور محفوظ رہا۔

موت کے بارے میں اسلام کا تصور قرآن نے پیش کیا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَما الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ. ترجمہ: ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور یقیناً تمہیں تمہارے کاموں کا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا، پھر جس کو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخلہ مل گیا، تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکہ کا سامان ہے۔(آل عمران)

وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفساً إِذَا جَاء أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (11). ترجمہ: اور اللہ تعالی ہرگز مؤخر نہیں کرتا، کسی جاندار کو، جب اس کی موت کا وقت آجاتا ہے اور اللہ تعالی تمہارے کاموں سے پورا باخبر ہے۔(سورۃ المنافقون)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ الله كِتَاباً مُؤَجَّلاً. ترجمہ: کوئی جاندار اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مرسکتا، ہر ایک کا مقررہ وقت لکھا ہوا ہے۔ آل عمران:.145۔

موت کہیں اور کسی بھی حال میں آسکتی ہے:

ہمیں اس حادثہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ موت کسی بھی حال میں آسکتی ہے؛ ضروری نہیں کہ آپ ہاسپٹل کے بیڈ پر ہوں، آپ میدان جنگ میں ہوں، آپ بڑھاپے کی عمر میں ہوں، آپ پریشانی اور تنگ دستی کی زندگی میں ہوں، آپ کے پاس جدید سہولیات کی کمی ہو، تب ہی موت آئے۔ اس حادثہ میں دیکھیں کہ ایئر پورٹ پر اور ہوائی جہاز میں اتنے کثیر افراد کی موت ہوئی ہے، ایئر پورٹ جہاں دنیا کی چمک دمک اپنے شباب پر ہوتی ہے، جہاں ہر چیز میں تازگی اور زندگی نظر آتی ہے، جہاں انسان اپنی امیدوں، شوق اور آرزو ں کی دنیا میں اڑنے لگتا ہے، جہاں مایوسی، ناامیدی اور نقصان کا تصور بھی نہیں ہوتا، اسی کے ساتھ ہوائی جہاز اور وہ بھی بوئنگ کمپنی کا، جس کی ٹکنالوجی، ایڈوانس لیول کی ہے، ایئر لائنز کی فیلڈ میں یہ کمپنی پوری دنیا میں اپنا ایک نام، مقام

اور اعتماد رکھتی ہے اور اس جہاز کو آپریٹ (Operate) کرنے والے بھی ماہر ترین اور تجربہ کار پائلٹ اور کو پائلٹ کی ٹیم موجود ہے، دنیا کی یہ تمام سہولیات ایک طرف تھیں؛ لیکن جب موت آئی، تو کچھ کام نہ آیا، ہر چیز بے بس اور فیل ہوگئی، لمحوں میں سب کچھ تباہ ہوگیا: سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارہ۔

کتاب ہدایت موت کے بارے میں کہتی ہے:

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ. ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو، وہ تمہیں ضرور پکڑے گی۔ (سورۃ الجمعۃ: 8)

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ. ترجمہ: تم جہاں کہیں بھی رہو، موت تمہیں پکڑ لے گی؛ چاہے تم مضبوط ترین قلعوں میں کیوں نہ رہو۔ (سورۃ النساء: 78)

دنیا کی پلاننگ سے پہلے آخرت کی پلاننگ کریں:

اس ہوائی جہاز میں بیٹھے مسافرین، جو اپنے خوابوں کو لے کر، یوروپین شہر لندن کے لیے روانہ ہوئے تھے، انہوں نے اپنے مستقبل کے لیے کیا کیا نہ خواب دیکھے ہوں گے، انہوں نے اپنی آنے والی زندگی کے لیے بہت سی پلاننگ کی ہوں گی، لندن پہنچنے کے بعد کیا کرنا ہے، لندن میں رہتے ہوئے کیا کرنا ہے، پھر اپنے وطن اور اپنے گھر والوں کے لیے کیا کرنا ہے، وغیرہ وغیرہ، چنانچہ مسافرین میں ایک ایسی خاتون بھی تھی، جو اپنی سرکاری ملازمت سے استعفی دے کر، اپنے شوہر اور تین معصوم بچوں کے ساتھ لندن رہنے کے لیے جارہی تھی، اسے کیا پتہ تھا کہ اس کی یہ آرزو ایئر پورٹ کے قریب ہی دم توڑ دے گی، نہ وہ رہے گی، نہ معصوم بچے رہیں گے، نہ شوہر رہے گا اور نہ لندن کا خواب رہے گا، اس کے علاوہ بھی پتہ نہیں کتنی آرزئیں اور کتنے خواب تھے، جنہیں اس حادثہ نے پورا ہونے سے پہلے ہی چکنا چور کردیا۔

لہٰذا اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم دنیا کی پلاننگ (Planning) ضرور کریں؛ لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ہم آخرت کے وطن اور گھر کی پلاننگ کریں، اس لیے کہ وہی ہمارا اصلی وطن ہے اور وہی ہمارا ہمیشہ کا (Permanent) گھر ہے۔

ہماری طرف سے اس میں غفلت پائی جاتی ہے کہ ہم دنیا کی تیاری تو کرتے ہیں؛ لیکن آخرت کی تیاری یا تو بالکل نہیں کرتے، یا رسمی یا بہت معمولی کرتے ہیں، دنیا کی پلاننگ ایسی کرتے ہیں، گویا ہمیں یہیں رہنا ہے اور آخرت سے ایسے غافل ہوتے ہیں، گویا ہمیں وہاں جانا ہی نہ ہو، ہمیں اپنی اس غفلت سے باہر آنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کو ہمیں ذہن میں رکھنا چاہیے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَاشِرَ عَشْرَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، مَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ، وَأَحْزَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ، وَأَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ، قَبْلَ نُزُولِ الْمَوْتِ أُولَئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ، ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا، وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ. ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا میں وہاں موجود دس لوگوں میں سے ایک تھا، چنانچہ ایک انصاری صحابیؓ نے دریافت کیا: اے اللہ کے نبی! سب سے زیادہ عقلمند اور سب سے زیادہ محتاط کون شخص ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرے اور موت آنے سے پہلے سب سے زیادہ موت کی تیاری کرے، ایسے ہی لوگ عقلمند ہیں، جنہیں دنیا کی شرافت بھی ملی اور آخرت کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ (مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الحزن، 18214)

ایئرپورٹ پر اور فلائٹ میں اللہ سے غفلت:

ایئر پورٹ جہاں ماڈرنیٹی (Modernity) اپنے عروج پر ہوتی ہے، جہاں عریانیت اور بے حیائی کھلے عام ہوتی ہے، خواتین کی ایک بڑی تعداد کم اور چھوٹے کپڑوں میں ہوتی ہیں، جہاں مغربی کلچر (Western Culture) کا غلبہ ہوتا ہے، ایسے موقع پر شیطان بدنگاہی پر اکساتا ہے اور آنکھ اور دل و دماغ سے بہت سے گناہ کرواتا ہے؛ ہمیں ایئر انڈیا فلائٹ حادثہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہمیں ایئر پورٹ پر اللہ کو یاد رکھنا چاہیے، اپنی آنکھوں کی حفاظت کرنی چاہیے، گناہوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ ایئر پورٹ کا آپ کا یہ آخری وزٹ (Visit) ہو، آج کے بعد کبھی ایئر پورٹ آنے کا موقع نہ ملے۔

اسی طرح ہوائی جہاز میں بیٹھتے وقت، پرواز (Take Off) اور اڑان (Fly) کے وقت اور لینڈنگ (Landing) کے وقت کی دعا ضرور پڑھیں، اللہ کے ذکر اور تسبیحات کا اہتمام کریں؛ کیوں کہ پتہ نہیں: نہ جانے کب زندگی کی شام ہو جائے!

ڈاکٹر طارق انور باجوہ-لندن

نظم

احمد آباد کے اندوہناک حادثے پر

جو گھر سے نکلے تھے منزلوں کی تلاش میں، وہ بکھر گئے ہیں
فضا میں چیخوں کی گونج باقی ہے، خواب سارے تو مر گئے ہیں

زمیں پہ بکھرا پڑا ہے سامان، زندگی کی ہنسی اڑائے
فلک پہ قسمت کے سب ستارے ہی رُخ بدل کر گزر گئے ہیں

نہ ماں کی ممتا بچی ہے باقی، نہ پیارے بچوں کی مسکراہٹ
مسرّتوں کے حسین لمحے وہ ایک پل میں کدھر گئے ہیں

کسی کی بانہوں میں رہ گیا تھا وفاؤں کا عمر بھر کا وعدہ
کسی کے الفاظ، لب پہ آئے بنا ہی کر کے اثر گئے ہیں

یہ کون لایا تھا راستے میں فلک کے اتنے سیہ اندھیرے
یہ کون خوابوں کے کارواں لے کے اور کرنے سفر گئے ہیں

دعاؤں میں بھیگتی ہیں آنکھیں کہ یاد ان کی ستا رہی ہے
رکھے گا زخموں پہ کون مرہم کہ دل دکھوں سے تو بھر گئے ہیں

جو کل گئے تھے، پلٹ کے آنا محال ہوگا تھا کس نے سوچا
عزیز ان کے تلاش میں ہیں کہ ان کے پیارے کدھر گئے ہیں

کبھی ستارے تھے جو فلک کے، جو وقتِ رُخصت چمک رہے تھے
وہ آرزوؤں کی، خواہشوں کی چتا کو خود راکھ کر گئے ہیں

وہی ہے مالک، اسی کی مرضی پہ صاد کر کے ہوئے ہیں راضی
بلاوا اس کا جب آئے طارقؔ، جھکا کے سارے ہی سر گئے ہیں

غلام جیلانی قمر۔ خیرا، بانکا (بہار)

اردو کا محافظ کون: یونیورسٹیز یا مدارس؟ ایک تقابلی جائزہ

یہ ایک گرما گرم بحث ہے کہ اردو زبان کو سب سے زیادہ نقصان کس طبقے نے پہنچایا ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو یونیورسٹیز کے شعبہ اردو سے منسلک ہیں اور خود کو زبان کا علمبردار سمجھتے ہیں، جبکہ دوسری طرف مدارس کے فضلا ہیں جن پر اکثر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ زبان کی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔ تاہم، اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اردو کو حقیقی معنوں میں سب سے زیادہ نقصان یونیورسٹیز کے پروفیسروں اور طلبہ نے پہنچایا ہے، جبکہ مدارس نے اس کی اصل روح اور حسن کی حفاظت کی ہے۔

لسانی آمیزش اور اردو کا حسن:

یونیورسٹیز میں آج کل اردو کے شعبہ جات میں جو طرزِ تدریس اور مکالمہ رائج ہے، اس میں انگریزی الفاظ کا بے تحاشہ استعمال عام ہے۔ پروفیسر حضرات اپنی گفتگو میں "تھیوری"(theory)، "کانسپٹ"(concept)، ''ریسرچ'' (research)، ''پریزنٹیشن'' (presentation)، ''سلائیڈز'' (slides)، "کلاس"(class)، "لیکچر"(lecture)، "اسائنمنٹ" (assignment)، اور نہ جانے کتنے ہی انگریزی الفاظ اس روانی سے استعمال کرتے ہیں جیسے وہ اردو ہی کا حصہ ہوں۔ یہ لسانی آمیزش، جو بظاہر ''جدیدیت'' کی علامت سمجھی جاتی ہے، درحقیقت اردو کے اپنے ذخیرہ الفاظ کو کمزور کر رہی ہے اور اس کے فطری حسن کو بگاڑ رہی ہے۔ اردو کے اپنے شستہ اور خوبصورت الفاظ موجود ہیں جنہیں نظر انداز کر کے غیر ضروری طور پر انگریزی اصطلاحات کو رواج دیا جا رہا ہے۔

اس کے برعکس، مدارس کے فضلا کی اردو بول چال اور تحریر میں یہ رجحان بہت کم پایا جاتا ہے۔ ان کی زبان خالص اردو ہوتی ہے، جس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کا استعمال تو ہوتا ہے جو اردو کی بنیادی ساخت کا حصہ ہیں، لیکن انگریزی الفاظ کی بھرمار نہیں ہوتی۔ مدرسے سے فارغ التحصیل طالب علم عام طور پر اپنی بات کو اردو کے اپنے الفاظ میں بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے، اور اسے انگریزی الفاظ کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مدارس نے اردو کے اصل ڈھانچے اور اس کی لسانی پاکیزگی کو برقرار رکھا ہے۔

علمی اصطلاحات کا استعمال اور عام فہم اردو:

یونیورسٹیز میں بعض اوقات علمی اصطلاحات کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا جاتا ہے کہ عام آدمی کے لیے انہیں سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پروفیسر حضرات بعض اوقات خود کو زیادہ ''دانشور'' ثابت کرنے کے لیے مشکل انگریزی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں، جس سے اردو کا پیغام عام قاری تک پہنچنے کی بجائے مخصوص علمی حلقوں تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں، مدارس میں نہ صرف اردو کی گرامر اور صرف

ونحو پر گہری گرفت حاصل کروائی جاتی ہے بلکہ زبان کو عام فہم اور مؤثر انداز میں استعمال کرنے کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ایک مدرسے کا فارغ التحصیل طالب علم، چاہے وہ کسی بھی موضوع پر گفتگو کر رہا ہو، اس کی زبان اتنی سادہ اور سلیس ہوتی ہے کہ ہر طبقہ اسے سمجھ سکتا ہے۔

اردو کی بقا اور مدارس کا کردار:

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ یونیورسٹیز کے بعض شعبہ ہائے اردو آج اپنی بقا کے لیے بھی جدوجہد کر رہے ہیں، طلبہ کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور نئی نسل کی دلچسپی بھی گھٹ رہی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب زبان کا اپنا تشخص ہی کھو دیا جائے اور اسے دوسری زبانوں کا مرہونِ منت بنا دیا جائے تو وہ اپنی کشش کھو بیٹھتی ہے۔

اس کے برعکس، مدارس، خواہ وہ کتنے ہی دور دراز علاقوں میں کیوں نہ ہوں، آج بھی اردو زبان کی ترویج و اشاعت کا فریضہ بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ لاکھوں طلبہ روزانہ اردو میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، اردو کتب پڑھتے ہیں، اور اردو میں ہی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔یہی وہ طبقہ ہے جو آج بھی اردو کو اس کے اصلی روپ میں زندہ رکھے ہوئے ہے اور اسے عوام تک پہنچا رہا ہے۔یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر آج اردو اپنی روح کے ساتھ کہیں زندہ ہے، تو وہ ان مدارس اور ان سے وابستہ افراد کی بدولت ہے۔

لہٰذا، یہ بحث کہ اردو کو کس نے نقصان پہنچایا، اس کا جواب بہت واضح ہے۔جہاں یونیورسٹیز میں اردو کو "جدید" بنانے کے نام پر اس کے حسن کو بگاڑا جا رہا ہے، وہیں مدارس اسے اس کے اصلی روپ میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اردو کی اصل حفاظت اور ترقی کے ضامن آج بھی مدارس ہی ہیں۔

کفیل امروہی

غزل

بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی
لوگ بے وجہ اداسی کا سبب پوچھیں گے

یہ بھی پوچھیں گے کہ تم اتنی پریشاں کیوں ہو
جگمگاتے ہوئے لمحوں سے گریزاں کیوں ہو

انگلیاں اٹھیں گی سوکھے ہوئے بالوں کی طرف
اک نظر دیکھیں گے گزرے ہوئے سالوں کی طرف

چوڑیوں پر بھی کئی طنز کیئے جائیں گے
کانپتے ہاتھوں پہ بھی فقرے کسے جائیں گے

پھر کہیں گے کہ ہنسی میں بھی خفا ہوتی ہیں
اب تو روحی کی نمازیں بھی قضا ہوتی ہیں

لوگ ظالم ہیں ہر اک بات کا طعنہ دیں گے
باتوں باتوں میں مرا ذکر بھی لے آئیں گے

ان کی باتوں کا ذرا سا بھی اثر مت لینا
ورنہ چہرے کے تأثر سے سمجھ جائیں گے

چاہے کچھ بھی ہو سوالات نہ کرنا ان سے
میرے بارے میں کوئی بات نہ کرنا ان سے

بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی

عبدالعلیم بن عبدالعظیم اعظمی-اعظم گڑھ، یوپی

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی-حیات وخدمات

محدث جلیل، مورخ اسلام، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (نوراللہ مرقدہ)، 1361ھ مطابق 1941 میں پیدا ہوئے، آپ کا وطن جگدیش پور اعظم گڑھ ہے، جو اعظم گڑھ لکھنؤ شاہ راہ پر پھول پور سے ایک کیلومیٹر جانب مشرق میں واقع ہے، یہ وہی سرزمین ہے جو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اعظمی، مولانا افتخار احمد قاسمی اور قاری ابوالحسن اعظمی جیسے نابغہ روزگار شخصیات کا وطن اصلی ہے، آپ کے والد محترم کا نام حافظ انوار الحق تھا، آپ کا ننھیال ککری پور تھا۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں، گاؤں کی بزرگ و محترم شخصیت حاجی محمد شبلی صاحب سے حاصل کی، ان کے یہاں قرآن مجید، اردو ریاضی اور فارسی وغیرہ کی مکتبی تعلیم حاصل کی، پھر گاؤں سے چار کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ''برئی پور'' کے ایک مدرسے میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے فارسی میں استعداد پختہ کی، اس وقت یہاں دو مشہور استاذ حافظ ایوب صاحب اور اعظم گڑھ کے مشہور شاعر، جناب عبید اللہ اختر مسلمی صاحب موجود تھے، آپ نے ان سے استفادہ کیا، اس کے بعد آٹھ ماہ مولانا حسن چھانوی صاحب سے تعلیم حاصل کی، پھر پھول پور مدرسہ ''روضۃ العلوم'' سے عربی تعلیم کا آغاز کیا، یہاں آپ نے عربی کی ابتدائی کتابیں اور کچھ فارسی کی کتابیں پڑھی، اسی مدرسہ میں آپ نے حضرت تھانوی کے خلیفہ ''مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری علیہ الرحمہ سے'' گلستاں ''پڑھی تھی، اس کے بعد قصبہ سرائے میر کے نامور مدرسہ ''بیت العلوم سرائے میر'' میں داخل ہوئے، یہاں عربی کی تعلیم متوسطات تک حاصل کی، اس کے بعد بغرض اعلی تعلیم مئو کا قصد کیا، اور مشرقی یوپی کی مشہور و معروف درسگاہ ''دارالعلوم مئو'' میں داخلہ لیا، اور یہاں متوسطات سے عربی ہفتم کی تعلیم حاصل کی، اور مزید تعلیم کے لئے مشہور معروف دینی درسگاہ ''دارالعلوم دیوبند'' کا قصد کیا، یہاں آپ ایک سال رہے، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں درج ذیل اساتذہ سے استفادہ کیا۔

صحیح بخاری مکمل مولانا فخرالدین مرادآبادی، سنن ترمذی جلد اول مولانا ابراہیم بلیاوی، صحیح مسلم وسنن ماجہ باستثنا چند اسباق اول و آخر مولانا بشیر احمد خاں بلند شہری، سنن ابن ماجہ کے اول و آخر کے چند اسباق قاری محمد طیب صاحب، طحاوی شریف مولانا اسلام الحق اعظمی، سنن نسائی مولانا شریف حسن دیوبندی، موطا امام مالک وموطا امام محمد حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندی، سنن ابوداود مکمل و سنن ترمذی جلد ثانی وشمائل ترمذی مولانا فخرالحسن مرادآبادی سے پڑھی اور 1964 میں سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم وتحصیل سے رسمی فراغت کے بعد درس وتدریس سے نئے علمی دور کا آغاز کیا، اولا کچھ ماہ تک مدرسہ ''روضۃ العلوم پھول پور'' میں شعبہ تبلیغ سے منسلک رہے، اس کے بعد

اشرف المدارس گھوسی کے ذریعہ آپ نے درس وتدریس کے میدان میں قدم رکھا، آپ یہاں صدر المدرسین تھے، پھر یہاں سے بنارس جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب تشریف لے گئے، بنارس کے بعد آٹھ ماہ کے لئے، مدرسہ قرآنیہ جونپور تشریف لائے، اس کے بعد مشہور وکیل جناب مسعود صاحب کی طلب پر منگرواں تشریف لائے، آپ کو مدرسہ کے انتظامی معاملات کی ذمہ داریاں سپرد کی گئی، جس کو آپ نے بحسن خوبی انجام دیا، ایک ہی سال میں تعلیم کے اعتبار سے مدرسہ کا قد بلند ہوگیا، اس کے بعد پھر آپ جامعہ اسلامیہ بنارس تشریف لائے، اور 1980ء تک مسند درس کی زینت بنے رہے، 1982ء میں دارالعلوم دیوبند میں ''وسطی'' کے مدرس مقرر ہوئے، 1414ھ میں وسطی سے علیا میں ترقی دی گئی، 1420ھ میں ردعیسائیت کمیٹی کے نگراں پھر ناظم مقرر کیے گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف کی دونوں جلدیں، ابوداؤد، مشکاۃ المصابیح، نخبۃ الفکر اور مقدمہ ابنِ صلاح جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، استاذ محترم مفتی سعید صاحب نوراللہ مرقدہ کے وصال کے بعد بخاری شریف کے کچھ اجزاء بھی آپ کے سپرد کیے گئے تھے، لیکن لاک ڈاون اور مدرسہ نہ کھلنے کی وجہ سے، بخاری کے درس کا موقع ہی نہیں ملا۔

راقم نے حضرت الاستاذ سے ''مسلم شریف'' کی دونوں جلدیں اور ''مقدمہ ابن صلاح'' پڑھی ہے، آپ کا درس علمی اور تحقیقی مباحث سے پر مغز ہوتا تھا، ادھر ادھر کے واقعات، ایران توران کے من گھڑت قصوں سے پاک ہوتا تھا، عبارت کے ایک ایک جزء پر علمی بحث کرتے تھے، احادیث کے درس میں راویوں کی ہندی کی چندی کر دیتے تھے، حدیث کے درایتی پہلو پر خاص نگاہ ہوتی تھی، حضرت الاستاذ نے ایک ہی کتاب کا کئی کئی سال درس دیا ہے، لیکن آپ درس کے لئے ان کتابوں کی تیاری محنت، لگن، تن من دھن سے کرتے تھے، اس کتاب سے متعلق آٹھ دس کتابیں دیکھتے تھے، سبق کے ہر گوشے پر کلام کرتے تھے۔

مولانا مرحوم ایک باکمال مدرس کے ساتھ ساتھ، ایک کامیاب قلمکار اور مصنف بھی تھے، آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسائل کی مجموعی تعداد تیس سے زائد ہیں، آپ کی کتابیں، تحقیق و تدقیق اور اردو ادب وانشاء پردازی سے لبریز ہوتی ہیں، آپ نے ''شجرہ طیبہ'' اور ''تذکرہ علماء اعظم گڑھ'' کے ذریعہ اس میدان میں قدم رکھا، دیکھتے ہی دیکھتے، آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور ومعروف قلمکاروں میں ہونے لگا، استاذ محترم کی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

(1) تذکرہ علماء علماء اعظم گڑھ (2) شجرہ طیبہ (3) اجودھیا کے اسلامی آثار (4) بابری مسجد حقائق اور افسانے (5) ایک فتوی کا تحقیقی جائزہ (6) اسلام کا نظام عبادت (7) اسلام میں تصور امارت (8) اسلام اور نفقہ مطلقہ (9) ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام اور جمعیت علماء ہند کی جد وجہد (10) مقالات حبیب تین جلدیں (11) متحدہ قومیت علماء اسلام کی نظر میں (12) خمینیت اثر حاضر کا عظیم فتنہ (13) فرقہ اثنا عشریہ فقہاء اسلام کی نظر میں (14) خلیفہ مہدی صحیح احادیث کی روشنی میں، (15) طلاق ثلاثہ صحیح ماخذ کی روشنی میں (16) تفسیر سورہ بقرہ (17) خواتین اسلام کی بہترین مسجد (18) امام کے پیچھے مقتدی کی قرات کا حکم (19) تحقیق مسئلہ رفع یدین (20) مسائل نماز (21) امام ابوحنیفہ کا علم حدیث مین مقام ومرتبہ (22)

وفاتیات نمبر، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند(23)شرح مقدمہ شیخ عبدالحق دھلوی(24)شرح نخبۃ الفکر(25)امام ابوداوداور ان کی سنن(26)شیعیت قرآن وحدیث کی روشنی میں (27) شیوخ ابی داود فی السنن، عربی (28) حرمت مصاہرت(29) کیا حدیث حجت نہیں؟(30) حدیث و سنت پرنقد ونظر(31)سرسید احمد خان کا نظریہ حجیت حدیث، بحث وتحقیق کے آئینے میں(32)بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں (33) میت پر اظہار غم کے مسائل و دلائل (34)تفسیر مظہری، غیر مطبوعہ۔

ان تالیفات وتصنیفات کے علاوہ سیکڑوں علمی وتحقیقی مضامین ومقالات بھی تحریر کیے جو ملک کے موقر واہم رسائل معارف اعظم گڑھ، برہان دہلی، البلاغ ممبئی، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں شائع ہوئے۔

1980 ء میں آپ کو تنظیم ”عالمی موتمر“ کا ناظم بنایا گیا، اور اس سے نکلنے والے ماہنامہ ”القاسم“ کی ادارات بھی سپرد کی گئی، 1984 ء میں آپ کو ماہنامہ ”دارالعلوم دیوبند“ کا مدیر منتخب کیا گیا، آپ مسلسل پینتیس سال تک ماہنامہ کے مدیر رہے ہیں، اس دوران آپ کے اشہب قلم سے نکلنے والے شذرات اور نگارشات کی وجہ سے ماہنامہ کا شمار ملک کے موقر واہم رسائل میں ہونے لگا۔

استاذ محترم علم ومطالعہ کے سچے عاشق تھے، ہما وقت کتابیں ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی، آپ کا حجرہ آرام گاہ کم کتب خانہ زیادہ معلوم ہوتا تھا، اخیر وقت تک آٹھ آٹھ نو نو گھنٹے مطالعہ کیا کرتے تھے، کوئی کتاب مل جاتی تو ختم کرے بغیر، سکون، راحت، سکھ، چین نہیں ملتا تھا، اگر کسی شخص نے کوئی عمدہ کتاب مولانا کو دے دی تو تب تک بار بار زبان پر اس کتاب کا تذکرہ رہتا ہے، جب تک کہ وہ کتاب ختم ہی نہ ہو جائے، عمدہ کتابیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے، ان کے علمی ذوق، کتابوں اور مطالعہ کا شاہد ان کا عظیم کتب خانہ بھی ہے، مولانا اسجد مدنی صاحب بیان کرتے ہیں کہ مولانا کا پوتا محمد عفان اعظمی دیوبند میں قرآن کریم حفظ کر رہا تھا مولانا کے مطالعہ اور ہمہ وقت کتب بینی اور ورق گردانی دیکھ تعجب خیز لہجے میں کہا دادا جان! لگتا ہے کہ آپ کا حافظہ ٹھیک نہیں ہے، چوبیس چوبیس گھنٹے کتاب یاد کرتے ہیں اور یاد نہیں ہوتی۔ مجھے دیکھیے، ایک ہی مرتبہ میں یاد کر لیتا ہوں۔

اسی ذوق مطالعہ کا ثمرہ تھا کہ استاذ محترم کا سینہ معلومات کا گنجینہ بن گیا تھا، جو بعد میں ان کی نوک قلم سے رواں ہو کر صفحہ قرطاس پر ثبت ہو گیا، جسے دیکھ کر ایک خلقت انھیں ”مورخ اسلام“ کہنے پر مجبور ہوگئی۔

مولانا مرحوم اردو ادب کے مایہ ناز، انشاء پرداز ادیب تھے، تاریخ سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، خصوصا دیار پورب کی تاریخ پر آپ کی خاص نگاہ تھی، جس کا بین ثبوت ”تذکرہ علماء اعظم گڑھ“ جیسی شاہکارہ تصنیف ہے، مولانا نجم الدین اصلاحی صاحب رقم طراز ہیں کہ:

> مولانا جگدیش پوری بھی اعظم گڑھ کے نوجوان علماء میں اپنی علمی صلاحیتوں اور بلند پایہ مضامین کے لحاظ سے اپنا ممتاز مقام رکھتے ہیں، چنانچہ مشاہیر ہند پر آپ کے کئی نمبر معارف جیسے معیاری رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ”تذکرہ علماء اعظم گڑھ“ نامی کتاب آپ کی جد وجہد اور کاوش کا ایک کامیاب کارنامہ ہے، اس کتاب سے پہلے علماء اعظم گڑھ کے تذکرے متفرق طور پر جستہ جستہ ملتے ہیں، لیکن

کتابی شکل میں میرے علم میں یہ پہلی کتاب ہے جو اپنے مستند ماخذ اور تحقیقی حوالجات کے ساتھ آپ کے سامنے موجود ہے، سیرت اور سوانح نگاری مسلمانوں کا وہ امتیازی وصف رہا ہے کہ آج تمام دنیا اس مصوری پر حیران ہے، جن میں ہزاروں واقعات عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کے موجود ہیں، اس کتاب کے دیکھنے سے صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کو کتنی زحمت برداشت کرنی پڑی اور سفر کرکے کتنے دفاتر دیکھنے پڑے، نیز مخطوطات اور ثقہ لوگوں سے معلوم کرنے اور سننے کے بعد تحقیق و تلاش کو جاری رکھ کر یہ کتاب مرتب کرنا آپ کا اہم کارنامہ ہے۔ مؤلف کی متانت تحریر، سنجیدگی، بیان کی خوبی سے خوش ہوجاتا ہے، جو ہر آئینہ مستحق مبارک باد ہے، بہرحال کتاب اپنے ماخذ کے اور معلومات کے اعتبار سے کامل ہے، اور مصنف کی محنت وجانکاہی صفحہ صفحہ سے ظاہر ہے'' (تقریظ تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص:21)

اس کے علاوہ ''مقالات حبیب'' میں دیار پورب کی متفرق شخصیات کا خاکہ ہے نیز ''اجودھیا کے اسلامی آثار'' اور ''بابری مسجد حقائق اور افسانے'' سے بھی دیار پورب کی تاریخ پر آپ کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا مرحوم علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اس کے ایک ایک گوشے پر تحقیقی ذوق رکھتے تھے، خصوصا اس علم کا ایک فن ''اسماء الرجال'' سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، راویوں پر کلام، اور ان کی پوری زندگی کی منظرکشی کچھ یوں کیا کرتے تھے کہ سننے والا بے ساختہ کہہ دیتا تھا کہ یہ ہمارے وقت کے ''حافظ ابن حجر عسقلانی'' ہیں۔

برصغیر میں فتنہ انکارِ حجیت حدیث بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، مولانا مرحوم نے اس کے رد میں بیش بہاں، علمی وتحقیقی کتابیں اور مضامین لکھا ہے، جس میں حجیت حدیث کو دو چار کی طرح واضح کردیا ہے۔

اکابر علماء دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ پر بھی آپ کو کافی گہرائی و گیرائی حاصل تھی، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے اکثر اداریات، اور صفحات اسی خاص موضوع سے سیاہ ہوئے ہیں، جو بعد میں ''مقالات حبیب'' کے نام سے بھی شائع ہوا ہے۔

تذکرہ نویسی، شخصیات کے خاکہ پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا، آپ کے خاکے علم وتحقیق، زبان و بیان کی برجستگی، انشاء پردازی اور سلاست روانی سے لبریز معلومات کا سدا بہار تحفے ہوتے تھے، مولانا اعجاز علیہ الرحمہ تذکرہ نویسی، سوانح نگاری اور تراجم پر کلام کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ:

> ''اسی سلسلے کی ایک کڑی ہمارے مخدوم فاضل گرامی مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی مرتب کردہ کتاب ''تذکرہ علماء اعظم گڑھ'' ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1976ء میں شائع ہوا تھا، جس میں مولانا موصوف نے بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ، نہایت جانفشانی وتلاشو جستجو سے ضلع اعظم گڑھ کے تقریبا دو سو علماء کے حالات لکھے تھے۔

> اس وقت سے اب تک کے وقفہ میں اور بھی بہت سے علماء دنیا کا سفر مکمل کرکے منزل آخرت میں کمر کھول چکے ہیں، مولانا نے اس نئے ایڈیشن میں

مزید محنت کر کے تقریباً پچاس علماء کے حالات کا اضافہ کیا'' (تذکرہ علماءِ اعظم گڑھ)

علم تفسیر پر بھی آپ کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ تھا، آپ نے سورہ بقرہ کی تفسیر لکھی تھی اور تفسیر مظہری پر تحقیقی کام کیا تھا جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

مولانا مرحوم جمعیت علماء ھند کی مجلس عاملہ کے رکن تھے، جمعیت کی میٹنگوں میں حق گوئی و بے باکی کے ساتھ اپنی رائے رکھتے تھے اگرچہ وہ دوسرے اراکین کی رائے کے خلاف ہوتی تھی، جمعیت علماء ہند ملکی و ملی اہم معاملات میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتی تھی، جمعیت علماء کی اکثر قرار دادیں آپ ہی کی قلم سے مرتب ہو کر منظور ہوئی ہیں۔

مولانا مرحوم اپنی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے، فجر بعد چہل قدمی کرنا، روزانہ کا معمول تھا، آپ کی عام صحت و پھرتی دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کے حسنات و برکات کا سلسلہ ابھی جاری رہے گا، لیکن مشیت ایزدی نے اندازوں اور تخمینوں کو ہمیشہ شکست دی ہے، چناں چہ مختصر علالت کے بعد اچانک 30/ رمضان 1442ھ مطابق 12/ مئی 2021 جمعرات کو تقریباً سوا بارہ بجے دن میں اس سرائے فانی سے رحلت کر گئے۔

نماز جنازہ مولانا مرحوم کے پوتے مولانا عفان قاسمی نے پڑھائی، ایک محتاط اندازے کے مطابق چار پانچ ہزار افراد جنازہ میں شریک ہوئے تھے، آبائی قبرستان جگدیش پور میں مولانا افتخار جگدیش پوری کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

☆☆☆

راحت اندوری

غزل

آنکھ میں پانی رکھو ہونٹوں پہ چنگاری رکھو
زندہ رہنا ہے تو ترکیبیں بہت ساری رکھو

راہ کے پتھر سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں منزلیں
راستے آواز دیتے ہیں سفر جاری رکھو

ایک ہی ندی کے ہیں یہ دو کنارے دوستو
دوستانہ زندگی سے موت سے یاری رکھو

آتے جاتے پل یہ کہتے ہیں ہمارے کان میں
کوچ کا اعلان ہونے کو ہے تیاری رکھو

یہ ضروری ہے کہ آنکھوں کا بھرم قائم رہے
نیند رکھو یا نہ رکھو خواب معیاری رکھو

یہ ہوائیں اڑ نہ جائیں لے کے کاغذ کا بدن
دوستو مجھ پر کوئی پتھر ذرا بھاری رکھو

لے تو آئے شاعری بازار میں راحتؔ میاں
کیا ضروری ہے کہ لہجے کو بھی بازاری رکھو

عذرا سلطانہ۔ٹانڈہ،اتر پردیش

فقط ایک روٹی

ماحول بہت سرد اور خوفناک تھا، نادیہ کو وہ اور بھی زیادہ خوفناک لگ رہا تھا، کیوں کہ چاروں طرف بموں اور مزائیلوں کی تباہ کاریوں کی آوازیں اور شولا باری سے قیامت کا منظر عیاں ہو رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ان پرسکون خوابیدہ ماضی کی یادیں بری طرح ستا رہی تھی، جب نہایت پرسکون اور شاداں ماحول میں اس کی نسبت اپنے پھوپھی زاد بھائی سے ہوئی تھی۔ لگتا تھا سارے جہاں کی خوشیاں اس کے دامن میں سمٹ آئی ہوں اور جلد ہی وہ ازدواجی زندگی کے زرین بندھن میں بندھنے والی تھی، لیکن غزہ کا ماحول پھر سے پچھلے دنوں کی طرح تباہی کے دھانے پر تھا، جہاں زندہ رہنا ہی رحمت عظیم تھا، ساری امتِ مسلمہ اس چھوٹے سے خطہ میں، جو کبھی خوبصورت فضاؤں سے لالازار ہوا کرتا تھا، وہ آج قتل وغارت گری کی منظر کشی پیش کر رہا تھا۔ کوئی گھر شاذ و نادر ہی بچا ہو جہاں موت نے دروازے پر دستک نہ دی ہو۔

معصوم بچوں، عورتوں اور جوان مردوں سب کو سیاسی درندوں کی بھوک نے اپنا نشانہ بنایا ہوا تھا اور کچھ ایک کو چھوڑ کر سبھی ملک اپنے بین الاقوامی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانیت کے خون کو بہتے ہوئے دیکھ بے حسی سے فراموش کر رہے تھے؛ لیکن اس مسئلہ کا حل دنیاوی عدالتوں کی بے نیازی کا شکار تھا۔

نادیہ کو چاروں طرف کالا دھواں دکھائی دے رہا تھا، لیکن اس سے بے خوف وہ اپنے پیٹ کی آگ میں جھلس رہی تھی۔

دو دن سے اسے بجھانے کے فراق میں اسے اپنے سے زیادہ اپنی بیوہ ماں کا خیال تھا، وہ زہریلی فضائیں تو جھیل رہی تھی؛ لیکن بھوک اس کے ہر خوف پر حاوی تھی۔

نادیہ اور اس کی ماں کے سوا پورا خاندان بموں کا لقمہ بن چکا تھا اور وطن کے خاطر ہجرت بھی نہ کر سکا، جام شہادت نوش فرمانا ان کے لئے زیادہ آسان تھا۔ اس بھوک میں بھی نادیہ کو اپنے پیاروں کے چہرے بار ہا نمودار ہو رہے تھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں اور دو دن سے رزق کا ایک دانہ بھی منہ میں نہیں گیا تھا۔ سوکھے کھجور پانی میں بھگو کے کھانے سے کب تک بھوک کو مٹا سکتی تھی۔ پانی بھی بڑی جانفشانی سے اوبڑ کھابڑ راستوں، بلڈنگوں کے ملبوں، جن میں نہ جانے کتنے مدفن زیر زمیں ہو چکے تھے، سے ملا۔ ان سفاک اسرائیلی فوجیوں کے نازل عتاب کی وجہ سے زندہ ملبے میں مدفون تھے، جن کے جامِ شہادت پینے کے باوجود بھی آج کے فرعون کی پیاس بجھتی ہی نہیں۔

نادیہ کی آنکھیں اشکبار تھیں اور کئی دن سے بھی زیادہ کا وقفہ گزر چکا تھا۔ رزق کا ایک دانہ بھی میسر نہیں آیا تھا۔ اسے باہر سے شور وغل کی آوازیں آ رہی تھیں۔ خدا ترس امدادی ٹرک سامنے سے گزرا، بچے بوڑھے اور جوان عورت مرد سب اس کے پیچھے پیچھے دوڑ پڑے، آخر کار اس قیامت خیز گھڑی میں فرشتوں کی طرح مدد پہنچ چکی تھی، اس وقت نادیہ کے جسم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ کسی سے اپنے پیٹ بھرنے کا سامان لا دینے کو کہتی۔

وہ دروازے پر کوئی تو اللہ کا بندہ اس کی نحیف پکار کو سنتا لیکن اس کی غیرت اور قوت دونوں نے جواب دے دیا تھا۔ اس وقت بس اس کا سہارا اللہ اور اس کا منگیتر تھا، جس کی اسے امید تھی کہ فون کر کے اسکو بلا بھیجے، لیکن موبائل بھی تقریباً دم توڑا جاتا تھا۔ جس کی ایک چھڑی بس نیٹ ورک پر باقی تھی۔ جیسے ہی اس نے فون اٹھایا، تبھی اچانک اسی کا فون آ گیا جس فون کی دیر سے وہ

متمنی تھی۔اس کی شدت کی پکار اللہ نے سن لی تھی۔اسے اس وقت ماں اور اپنے لئے ایک روٹی کا سہارا مل جاتا تو اس کے پیٹ کی آگ میں کچھ کمی ہو جاتی۔پانی بھی برائے نام بچا تھا۔

مالکِ کائنات کو اس پر ترس آ گیا تھا۔وہ تو ہے ہی رحیم و کریم! نادیہ کے فون کی ٹوٹی اسکرین پر اس کا نمبر چمک رہا تھا۔ اس نے لپک کر فون کا بٹن دبایا،اسے گھنگھور اندھیرے میں امید کی کرن چمکتی دکھائی دی۔

''کتنے دن سے کوئی خیریت بھی پتا نہیں چل پا رہی تھی''اس نے پوچھا۔

''کہاں ہو''،ادھر سے آواز آئی۔

''اپنی ٹوٹی ہوئی عمارت کے سائے میں کھڑا ہوں''۔

نادیہ پھوٹ پڑی۔

''دو دن سے تمہاری منتظر ہوں ادھر سے آواز آئی،رکو،میں ابھی آتا ہوں''

نادیہ نے پہلی بار اپنے ہونے والے شریک حیات سے بڑے تامل اور بے بسی سے کہا

''بس روٹی لیتے آنا اور پانی بھی''

بس اتنا کہنے ہی پر اس کی غیرت سے بھرے آبشار آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہنے لگے۔وہ سسک پڑی۔

بھوک نے اسے اس انتہا پر پہنچا دیا تھا۔اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں بچا تھا،لیکن اسکے محسن نے حامی بھر لی تھی،وہ روتے ہوئے سوچنے لگی کہ جس شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے اس نے کتنے حسین خواب سجائے ہوئے تھے آج مجبوری کے عالم میں فقط ایک روٹی کی فرمائش کرتے ہوئے وہ اپنے ہونے والے شوہر سے عجیب کیفیت کی شکار تھی!

اسے اپنا وجود بڑا بے معنی سا لگ رہا تھا۔اس کا جی چاہ رہا تھا کہ شرم و حیا سے زمین میں سما جائے،لیکن نادیہ کے پاس کوئی دوسرا چارہ بھی تو نہ تھا۔اپنے سے زیادہ اسے اپنی لاغر بیوہ ماں کا خیال تھا،جو خیالوں میں اپنے خاوند اور بچوں کو تلاش کر رہی تھی۔شاید اسی ممتا کی مورت کے لئے اس نے اپنی غیرت کو طاق پر رکھ کر اپنی خواہش کو جامہ پہنایا تھا،اپنے ہونے والے شوہر سے فقط ایک روٹی کی مانگ کر کے۔

ایس فیضانی۔اعظم گڑھ،یوپی

غزل

تغافل نے سبھی انسان کو محکوم کر ڈالا
اسی اک جرم بے حس نے ہمیں محروم کر ڈالا

ہمارے دور میں واعظ پہ ہے الزام شہرت کا
جہالت نے انہیں کس نام سے موسوم کر ڈالا

یہاں حاکم زالا ہے تو قاضی بھی انوکھا ہے
سیاست پر غلط دستور کو مرقوم کر ڈالا

تمناؤں سر اپنا جھکا کر کیا کیا تم نے؟
مقدس سرزمیں کو آج تم نے روم کر ڈالا

بہت افسوس ہے انجام تو سوچو ذرا اپنا
جو تم نے سیکڑوں افراد کو مظلوم کر ڈالا

ہماری قوم جب تفریق کو ترجیح دے بیٹھی
اخوت سے انہیں قدرت نے پھر محروم کر ڈالا

روانی اشک کی بڑھتی گئی آنسو کی آنکھوں میں
عدالت نے سبھی مجرم کو جب معصوم کر ڈالا

سید عظمت اللہ بیابانی۔ وجے نگر کالونی، حیدرآباد

یادِ ماضی

بہت عرصہ ہوا، میں ملاّ پورم شہر کے مشینری اسکول میں تعلیم حاصل کررہا تھا، اسکول بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر تعلیم دینے مشہور تھی، میرا اکثر دفعہ اسی اسکول میں زیادہ وقت گزرا کرتا تھا۔ زیادہ وقت گزرنے کی ایک خاص وجہ بھی تھی، میں بہت ہی ہچکچاتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے میرے والدین کا لاڈ اور پیار بڑھ چڑھ کر ملتا رہا، میرے ساتھ والدین کے علاوہ عمر رسیدہ میرے دادا جان بھی رہا کرتے تھے، ہمارا گھر بہت کشادہ اور کھلے صحن کا تھا، دادا جان کی سہولت کے لیے ابّا نے پہیوں والی کرسی لا کر دی جس سے اس بڑے مکان اور صحن میں آسانی سے کرسی کی مدد سے گھوم پھر سکیں۔

میری والدہ اکثر پاندان اور اگالدان لیے صحن میں بیٹھے اس کا شغل کرتی رہتی ہیں، اتفاقاً دادا جان کی پہیوں والی کرسی پاندان اور اگالدان سے ٹکرائی، نتیجتاً پاندان بکھر گیا اور اگالدان اُلٹ گیا، میں نے دیکھا میری والدہ دادا جان کی طرف بہت ہی تیز اور غضب ناک نگاہ سے گھورنا شروع کیا، دادا جان سہمے ہوئے اپنی کرسی سمیت باز و ہو لئے، ایسا کبھی کبھار ہو جایا کرتا تھا۔

ایک دفعہ جب میری والدہ اس طرح کے واقعہ سے دادا جان پر قہر آلود نگاہ سے دیکھ رہی تھیں، والد صاحب باہر سے آ پہنچے اور اس منظر کو دیکھا۔ دادا جان کی آنکھوں سے آنسو جھلک رہے تھے، والد صاحب نے میری والدہ پر غصہ سے نگاہ ڈالتے ہوئے سخت وست کہا۔ میں چھوٹی عمر کا تھا پھر بھی مجھے اچھا نہیں لگا، میں دادا جان کے آنسوان کے چہرے پر دھیرے دھیرے نیچے ڈھلکتے ہوئے دیکھ کر بہت ہی سہم گیا، والد صاحب کی میری والدہ کو سخت وست سنانے سے بہت کوفت ہوئی، ایسے اوقات میں میں اپنے اسکول کی طرف چلا جاتا تھا۔

اسکول میں میرے ساتھیوں میں الیگزینڈر سے کافی دوستی تھی، ہم عید برات میں آپس میں بہت خوشیاں منایا کرتے تھے، ہماری گہری دوستی کے ناطے اسکول میں ہم بھائیوں جیسا مشہور ہو گئے۔ سالانہ امتحان کی چھٹیوں میں ہم دونوں سیر وسپاٹے کے لیے اوٹی (Ooty) کا پروگرام بنایا، جو ملاّ پورم سے قریب نہیں تھا، پتہ چلا ٹرین کا سفر لمبا ہے اور گاڑی دو پہر کے وقت میں نکلتی ہے، ہم اپنے بزرگوں کو بتائے بغیر پروگرام طے کرلیا، مجھے بار بار دادا جان کی آنکھوں سے دھیرے دھیرے ڈھلنے والے آنسو نظر آرہے تھے، وقت مقررہ پر میں اور میرا دوست ٹرین میں سوار ہو گئے، شروع شروع ہم بہت خوش وخرم تھے، کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان ہم اپنے اپنے گھروں سے پکنک کے بہانے لے آئے تھے، دن ڈھلتا گیا، شام ہوتی گئی اور رات کا اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ ٹرین کی چک چک سے شروع شروع ہم محظوظ ہوتے رہے، وقفہ وقفہ سے ٹرین کی سیٹی بجتی گئی، کچھ دیر بعد ہم نے محسوس کیا کہ ٹرین رُک گئی، ٹرین کے باہر کھڑکیوں سے کچھ نظر نہیں آرہا تھا، کبھی کبھار کچھ چنگاری سی اڑتی ہوئی نظر آئی جس سے جھاڑیوں کا اندازہ لگتا تھا۔ شاید روشنی جگنو کی ہو۔ ٹرین کی سیٹی پہ سیٹی ہوتی گئی، بازو بیٹھے ہوئے مسافروں سے پتہ چلا کہ سگنل رکا ہوا ہے۔ ساتھ کے مسافر ٹرین میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے، ٹرین کے ڈبّے کی لائٹ بار بار گل ہوتی رہی، ہم دونوں مسافروں کی چہل پہل دیکھتے ہوئے ٹرین سے نیچے اُتر پڑے۔

ٹرین سے نیچے اترنے کے بعد ہم نے جگنوؤں کو اِدھر اُدھر اُڑتے دیکھا۔ ہماری خواہش ہم پہ غالب آئی کہ جگنو کو پکڑا جائے،

ہم دونوں جگنو کو پکڑنے کی کوشش میں ذرا سا آگے بڑھے۔ پٹریوں سے قریب اُس پار تاروں کے دو تین قطاریں ایک طرف سے دوسری طرف جا رہی تھیں، ہم بہت ہی ہوشیاری سے ٹرین کے ڈبوں کی دھیمی دھیمی روشنی کی مدد سے اِن تاروں کو پار کرتے ہوئے جگنو کو پکڑنے میں کامیاب ہوئے، اتنے میں ٹرین کی سیٹی سنائی دی، ہم دونوں تیز قدموں سے اندھیرے میں بڑھتے ہوئے ٹرین کی طرف آ رہے تھے کہ اِن تاروں میں ہمارے قدم الجھ گئے، اِن تاروں سے اپنے قدموں کو آزاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ٹرین آگے بڑھنے لگی، تھوڑی ہی دیر میں ٹرین آگے بڑھ گئی، جو دھیمی روشنی آ رہی تھی وہ ختم ہوگئی۔ ہم نے جب اِن تاروں (Wires) سے چھٹکارا پایا، ٹرین جا چکی تھی، ہم نے محسوس کیا کہ گہرا جنگل ہے، طرح طرح کی آوازیں آ رہی تھیں، شاید جنگلی جانوروں کی پکاریں ہوں۔ آس پاس کہیں روشنی نظر نہیں آئی، سب تھکے ماندے تھے، ایک جگہ آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک صاف چکنی چٹان نما شئے پر بیٹھے بیٹھے نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

تھکان سے جب تھوڑی بہت راحت ملی، ہم نے چٹان کو جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے، حرکت محسوس کی، اپنے ہاتھوں سے ہم نے اس چٹان کو محسوس کیا کہ وہ چکنی اور بالکل صاف اور گولائی کو محسوس کیا، رات بہت ہو چکی تھی، شفق کی تڑپ جنگل کا نظارہ دیکھنے کے لیے، ہم نے محسوس کیا، دھیرے دھیرے ہماری نگاہ محل وقوع پر پڑی، گھمسان جنگل اور ایک ضخیم کھجور کے تنے کی شکل میں ہم نے اس حرکت کرتے ہوئے چٹان نما کو پایا۔ جیسے جیسے دن کی روشنی پھیلتی گئی، ہم نے محسوس کیا کہ درخت کے تنے مانند چٹان نما ایک بہت بڑے جاندار اژدھے ہوتے ہیں جو بکری ہرن وغیرہ جیسے جانداروں کو ثابت نگل جاتے ہیں۔ شاید یہ ایسے ہی کسی جانور کو نگل کر مست پڑا ہوا ہو۔ ہم نے اپنے آپ کو ڈر سے سہمے ہوئے بھاگنا چاہا، پھر ہمیں اس بات کا ڈر ہوا کہ اس اژدھے کا منہ کس جانب ہے، اس اژدھے کے شمال اور جنوب کو چھوڑ کر ہم درمیان سے آگے بڑھ گئے، صبح ہو چکی تھی، درختوں کے کچھ پھل نیچے گرے ہوئے تھے اور ہم بھوک سے لرز رہے تھے، کچھ پھلوں کو ہم نے بھوک مٹانے کی خاطر نوش کیا حالانکہ وہ پھل ذائقہ دار نہیں تھے۔

جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھے، ویسے ویسے سورج کی روشنی بڑھتی گئی، کچھ دیر اسی طرح آگے بڑھنے کے بعد ہم نے انسانوں کی آواز سنی۔ خوشی کی لہر ہمارے دل میں محسوس ہوئی، ہم نے دیکھا کچھ دور پہ پانی کی نہر ہے اور کچھ لوگ وہاں پر اکٹھا ہیں، دھیرے دھیرے ہم اُس جگہ پہنچے، لوگوں نے ہمیں دیکھا اور ہم کو شامل کر لیا۔ اُن کی زبان ہم سمجھ نہیں سکے، وہ اپنے انسانی ناطے ہمدردی سے پیش آتے ہوئے ہمیں آگے لے گئے، وہ اپنی جھونپڑی میں ہمیں بٹھائے، کھانے کی کچھ چیزیں دیں۔ زبان الگ، رہن سہن الگ، لیکن انسانیت اُمڈ اُمڈ کر آ رہی تھی، دوپہر کا وقت ہو رہا تھا، ہم نے لوگوں کی چیخ و پکار سنی، جیسے ہی ہم جھونپڑی سے باہر آ کر دیکھا، کچھ سرکاری عہدیدار اپنی خاص وردی میں اس جنگل کی آبادی میں آ رہے ہیں، ہاتھوں میں بندوقیں اس بات کا اندازہ دلا رہی ہیں کہ وہ کسی کھوج میں یہاں آ پہنچے، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آبکاری کے ذمہ دار ہیں، ان سے ملاقات ہوئی، بات چیت سے پتہ چلا کہ یہ لوگ چھپی ہوئی نشیلی نباتات کی کھوج میں یہاں تک پہنچے۔

ہم نے وقت دیکھ کر ہمارا ماجرا کہہ سنایا، انہوں نے اپنے وعدے کے مطابق اپنی موٹر سے اپنی کارروائی کی تکمیل کے بعد ہم دونوں کو شہر ملاّ پورم پہنچایا، ہم اپنے اپنے گھر پہنچے، میرا دوست الیگزینڈر وہ اس کے والدین سے جا ملا اور میں اِن آبکاری ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے گھر پہنچا، خوشی کے مارے میرے والدین مجھے گلے لگا لیے، میری آنکھوں میں دادا جان کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسو کا نظارہ پھر گیا، دادا جان کی تلاش میں، میں اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی، میں نے دیکھا، دادا جان کی پہیوں والی کرسی اوندھی گری ہوئی ہے۔ معلوم ہوا میری جدائی کے غم سے روتے روتے دادا جان اپنی آنکھ ہمیشہ کے لیے موند لی۔

سراج الدین ندوی۔مدیر ماہنامہ اچھا ساتھی، بجنور

نم آنکھوں سے عید الاضحیٰ مبارک

عدنان آنکھ مسلتے ہوئے امی سے مخاطب تھا: ''امی آج عید ہے نا!''

''ہاں بیٹا! اٹھو اور فجر کی نماز پڑھ لو۔ فجر کی نماز پڑھنا فرض ہے، عید منانا سنت ہے زیادہ سے زیادہ واجب کہہ سکتے ہیں۔'' امی نے عدنان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو یہ بات ہے'' عدنان نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے پوچھا: ''امی جان! کیا فجر کی اذان ہوگئی؟''

''ہاں بیٹا! جماعت کھڑی ہونے میں صرف دس منٹ باقی ہیں۔ جاؤ جلدی سے ضرورت سے فارغ ہو لو اور وضو کر کے مسجد پہنچ جاؤ، جماعت مل جائے گی۔ تمہارے ابو بہت دیر کے مسجد جا چکے ہیں۔ انھوں نے تمہیں بھی آواز دی تھی۔'' امی نے کہا۔

عدنان بستر سے اٹھا، ضروریات سے فارغ ہوا، برش کیا اور وضو کر کے مسجد پہنچ گیا۔ مسجد اس کے گھر کے بالکل سامنے تھی۔

عدنان 12 سال کا بچہ تھا، نہایت شریف، محنتی، مہذب، اکثر نمازیں بھی پڑھتا تھا، کبھی کبھی نماز چھوٹ جاتی تھی۔ آج رات دیر سے سویا تھا۔ عید کی رات کی وجہ سے دوستوں میں مگن رہا۔ اس لیے وقت پر نہ اٹھ سکا۔

عدنان نماز پڑھ کر آیا۔ عادت کے مطابق قرآن پڑھا۔ حدیث کی کتاب سے قربانی سے متعلق دو حدیثیں پڑھیں۔ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ تشریح میں پورا واقعہ بھی پڑھا۔ دوسری حدیث یہ تھی کہ ''عید کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بڑی نیکی قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے''

مطالعہ سے فارغ ہو کر اس نے امی سے کہا: ''امی جان آج ناشتہ میں کیا کھلائیں گی؟ پھر مجھے تیار ہو کر عید گاہ بھی جانا ہے۔''

''بیٹا! بقر عید کے دن مومن کے منہ میں سب سے پہلا لقمہ قربانی کے گوشت کا جانا چاہیے۔ اس لیے آج ناشتہ نہیں بنے گا، نماز عید کے بعد تمہارے ابو قربانی کا گوشت لائیں گے۔ تب اسے کھا کر ہی ناشتہ کریں گے وہی دوپہر کا کھانا بھی ہوگا۔'' امی نے تفصیل سے عدنان کو سمجھایا۔

''ہاں ہاں مجھے یاد آ گیا، مجھے معلوم تھا، مگر ذہن میں نہیں رہا تھا، میں تیار ہو کر ابو کے ساتھ عید گاہ جا رہا ہوں، واپسی میں آپ سے بات کروں گا۔'' عدنان نے بڑے اطمینان سے امی کی تائید کی۔ عدنان تیار ہوا تو اس کے ابو نے موٹر سائیکل نکالی اور دونوں عید گاہ پہنچ گئے۔ عید کی نماز پڑھ کر عدنان کو اس کے ابو گھر چھوڑ گئے اور اپنے دوست حامد کے ساتھ مذبح خانہ چلے گئے تاکہ جلدی سے قربانی کرا کے اپنے حصہ کا گوشت گھر لے آئیں۔

عدنان اپنی امی سے بات کرنے لگا۔ ''امی جان! آج آپ اداس ہیں، آج تو خوشی کا دن ہے، ہنسنے، ہنسانے کا دن ہے، مگر آپ بہت غمگین نظر آ رہی ہیں، کیا کوئی بری خبر آئی ہے، کسی کا انتقال تو نہیں ہو گیا۔''

عدنان بولے جا رہا تھا اور امی جان کی کیفیت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ''کچھ تو بولو امی! آپ تو غم میں ڈوبی جا رہی ہیں، کچھ تو بتائیے نا'' عدنان کا لہجہ بھی روہانسا ہو گیا تھا۔

یہ دیکھ کر امی کی ہچکیاں بندھ گئیں، انھوں نے عدنان کو اپنے سینے سے لگایا اور بولیں: ''بیٹا تمہیں تو معلوم ہے نا، غزہ میں کیا ہو رہا ہے؟ وہاں کی مسجدیں اور عید گاہیں ملبے میں دفن ہیں، بچوں کے پاس نئے کپڑے نہیں، کتنے ہی بچے ایسے ہیں جنھیں کوئی عید کی نماز کے لیے لے جانے والا نہیں، کتنے ایسے

ہیں جن کو کوئی سینے سے لگانے والا نہیں، وہاں نہ خوشیاں ہیں نہ قہقہے، وہاں گوشت تو دور کی بات ہے پینے کو پانی بھی میسر نہیں، میرے بچے! وہاں ایک قیامت کا عالم ہے، بوڑھے اپنے بچوں کا انتظار کر رہے ہیں، مائیں اپنے بچوں کو یاد کر کے تڑپ رہی ہیں، بچے اپنے والدین کے جنازے اٹھا رہے ہیں، زخمیوں کے لیے مرہم نہیں، پیاسوں کے لیے پانی نہیں، پیٹ بھرنے کے لیے کھانا نہیں، علاج کے لیے ہاسپٹل نہیں، زخمی درد سے کراہ رہے ہیں، لاشیں بے کفن پڑی ہیں، ہر طرف ہاہا کار ہے۔ بیٹا! تم ہی بتاؤ، ایسے میں ہم کیسے خوشی منائیں؟'' یہ کہتے ہوئے ماں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپکنے لگے۔ عدنان بھی رونے لگا۔ تبھی عدنان کے ابو اپنے دوست حامد کے ساتھ گوشت کا گٹھر لیے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ ماں اور بیٹے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر پریشان ہوگئے اور گھبراتے ہوئے پوچھا: ''ارے کیا بات ہے؟ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ ابھی تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ بتاؤ عدنان کی امی کیا ہوا؟

''نہیں کوئی بات نہیں ہے، بس اہل غزہ کی یاد آگئی تھی۔'' عدنان کی امی نے دوپٹہ سے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔۔۔بھئی۔۔۔بے چارے۔۔۔مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ سوائے دعا کے۔۔'' عدنان کے ابو کے چہرے پر اداسی چھا گئی اور ہاتھ بارہ گاہ رب العزت کے دربار میں اٹھ گئے۔

''بار الہا! اہل فلسطین کے غم کے دنوں کو خوشی میں بدل دے اور ان کے شہیدوں کی مغفرت فرما۔''

''اے اللہ تو نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی قبول فرمائی اہل غزہ کی قربانیاں بھی قبول فرما۔''

''اے اللہ ان کے مکانوں سے اٹھنے والے دھوئیں کو اپنی رحمت میں تبدیل فرما دے۔''

''اے اللہ ان کے یتیموں کا تو والی بن جا۔''

''اے اللہ ان کے بیماروں کو غیب سے سامان شفا عطا۔ تڑپتے انسانوں، سسکتی ماؤں کراہتے بیماروں اور بے گھر انسانوں پر رحم فرما۔ ان کے دکھ کو سکھ میں تبدیل فرما۔''

''اے اللہ وہ تیرے بندے ہیں تجھ پر ایمان رکھتے ہیں، تیرے دین کے غلبہ کے لیے پے در پے قربانیاں دے رہے ہیں۔ اے اللہ اپنی ربوبیت اور حاکمیت کا اظہار فرما۔ مظلوموں کو ظلم سے نجات عطا فرما اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچا۔''

آمین یارب العلمین

غزل

رہبر پرتاپ گڑھی۔ یوپی

بارہا کرتی ہوئی آئی جگالی دنیا
دل سے جب اپنے کبھی میں نے نکالی دنیا

اُنس و الفت سے بہت ہوگئی خالی دنیا
اب بسانی ہے مجھے ایک نرالی دنیا

مطمئن کیسے وہ ہو جائیں گے آخر خود سے
جن پر غالب رہا کرتی ہے خیالی دنیا

اِس کو قسمت کی خرابی ہی کہا جائے گا
جس نے اپنے دل و جاں میں ہے بسالی دنیا

اپنے اَسلاف کی سیرت سے مزیّن کر کے
کرنی رہبرؔ! کو ہے اب اپنی مثالی دنیا

مولانا وستانویؒ کے افکار بہت وسیع تھے انہوں نے ملک وملّت کے لیے اہم چیزیں چھوڑی ہیں

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے زیر اہتمام موجودہ صدی کی عبقری شخصیت خادم القرآن مولانا غلام محمد وستانویؒ خصوصی شمارہ ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کی رونمائی کا اہم پروگرام 28 جون 2025 بروز ہفتہ بوقت 8 بجے شب بمقام اردو گھر مغل پورہ حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ جس کی سرپرستی امیر ملت اسلامیہ حضرت مولانا محمد حسام الدین ثانی عاقل جعفر پاشاہ مہتمم دارالعلوم حیدرآباد ورکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے فرمائی، حضرت جعفر پاشاہ صاحب نے خطاب کرتے ہوئے مولانا وستانویؒ کی حیات وشخصیت کی متنوع خدمات کو اُجاگر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا وستانویؒ کے افکار بہت وسیع تھے، انہوں نے ملک وملت کے لیے کئی اہم چیزیں چھوڑی ہیں۔ پروگرام کے صدر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نورالعین صاحب قاسمی سابق استاذ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ مولانا کے اخلاق بہت عمدہ تھے، مدارس کیسے مستحکم ہوں اس کے ہنر سے خوب واقف تھے، مسابقۂ قرآن کے طریقہ نے ملک بھر میں انہیں مقبول بنایا، مہمان خصوصی مولانا مفتی امدادالحق بختیار قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد نے فرمایا کہ مولانا وستانویؒ کو اللہ رب العزت نے اس صدی میں منتخب فرمایا اور انہوں نے مذہبی علوم اور عصری علوم کو ایک چھت کے نیچے جمع کردیا۔ مولانا زعیم الدین حسامی معتمد سراج العلماء اکیڈمی نے فرمایا کہ مولانا وستانویؒ پر یہ خصوصی شمارہ ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کا شائع کرنا ان کی مقبولیت کی دلیل ہے،

اللہ رب العزت مولانا وستانویؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے آمین۔ ڈاکٹر مختار احمد فردین صدر آل انڈیا اردو ماس سوسائٹی نے مولانا وستانویؒ کو ایک مثالی شخصیت قرار دیا، کیونکہ وستانویؒ کے توسط سے ہزاروں بچے حافظ قرآن بنے، انہوں نے مساجد تعمیر کروائیں، ان کی فلاحی وسماجی کام کو حسن نظر سے دیکھا گیا۔

پروگرام کا آغاز حافظ وقاری مولانا محمد محی الدین سہیل صاحب کی تلاوت سے ہوا، مشہور شاعر ڈاکٹر محمد طیب پاشا قادری نے نذرانہ عقیدت پیش کیا، حافظ وقاری زاہد ہریانوی نے نعت، اور وستانویؒ پر فرقت غم نظم پیش کیا۔ پروگرام کے کنوینر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی چیئرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ ایڈیٹر

ڈاکٹر نادر المسدوسی۔صدر بزم علم وادب حیدرآباد

غزل

''میں ہم سفر کو بھول گیا، ہم سفر مجھے''
یار عطا ہو اور کوئی رہ گزر مجھے

یہ میری خوش نصیبی ہے فن کی اُڑان میں
استاد نے نکھارا، بنایا گہر مجھے

اللہ کا کرم ہے یہ سب کی نگاہ میں
اُس نے رکھا ہے زندگی میں معتبر مجھے

قرآن کی ہو روز تلاوت تو دیکھنا
نورانی گھر لگے لگے یہ مرا سر بسر مجھے

اشعار ہوں تو ایسے دلوں اثر کریں پر
مل جائے شاعری کا لطیف اک ہنر مجھے

عاصی، گناہ گار ہوں، یہ جانتا ہے تو
سارے گناہ دھو کے خدا پاک کر مجھے

نادر جو میرے سر پہ کرم رب کا تھا تو پھر
یہ سوچتا ہوں کس نے کیا دربہ در مجھے

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد نے نظامت استقبالیہ اور شکریہ ادا کیا۔اس اہم موقع پر ڈاکٹر عبدالقدوس، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، مولانا شریف اللہ خان قاسمی، محسن خان، ڈاکٹر محمد عبدالنعیم، مولانا تنویر ندوی، مولانا حافظ محمد وقار حسامی، محمد مصادق ہلال، محمد ہلال، مکاشف ہلال وغیرہ موجود رہے۔امیر ملت اسلامیہ مولانا جعفر پاشا صاحب کی رقت انگیز دعا پر پروگرام اختتام کو پہنچا۔

ذکی طارق بارہ بنکوی۔یوپی

غزل

اے مری جانِ سخن شمعِ شبستانِ غزل
یہ سراپا ہے ترا یا ہے گلستانِ غزل

اس لئے میں کر رہا ہوں ناز برداری تری
تجھ کو تعریفِ غزل میں لکھا ہے جانِ غزل

رب کی اس نعمت کی یارو قدر دانی کے طفیل
ہوں گے ہم سب اُس جہاں میں بھی اسیرانِ غزل

اس کی لذت کس قدر ہے آخرش جادو اثر
ایک شب میں ہوگئے ہم جاں نثارانِ غزل

ہو رہے ہو خود بھی اس کے کیف سے محظوظ روز
یہ بھی سوچا ہے کبھی تم نے حریفانِ غزل

ہم سے بس امید رکھو پیار کے نغمات کی
ہم ہیں عشاقِ غزل ہم ہیں فدایانِ غزل

شعریت، رومانیت سے ہے بھرا اک ایک انگ
خوبصورت جسم ہے اس کا کہ دیوانِ غزل

تم اگر بچھڑیں تو مر جائے گی میری شاعری
اے مری جاناں تمہیں تو ہو مری جانِ غزل

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

SIECT

Regd. No. 180/2016

مدرسہ و مسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیْرُکُم مَنْ تَعَلَّمَ القُرآن وَعَلَّمَہ۔ تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی علم کی نشر و اشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے، اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰہی

زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرّہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیرّہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔ مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا احسن الجزاء.

Bank Name : IDBI   A/c Number : 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

June 2025 جون

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216
Rs. 30/-

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com